جملہ حقوق محفوظ

دین محمدی پریس لاہور میں باہتمام ملک محمد عارف خان پرنٹر چھپا اور
میاں محمد حنیف پبلشر نے اُردو اکیڈمی لاہور سے شائع کیا۔

طبع اوّل　　ایک ہزار　　قیمت عہ/

جب کبھی رقص کے گونجتے ایوانوں میں
سر بسر لپٹے ہوئے حریری ملبوس
جگمگاتے ہوئے سنہری فانوس
— "محبت" سرگوشیاں کرتے ہیں ترے کانوں میں!

— احمد ندیم قاسمی

اپنے شفیق اُستاد

پروفیسر امرناتھ جھا صاحب

وائس چانسلر الٰہ آباد یونیورسٹی

کے نام ——

میری موجودہ زندگی کو ادبیات سے دُور کا بھی لگاؤ نہیں؛ اس لئے میرے واسطے اِبسن جیسے جلیل القدر ڈرامہ نگار کے اِس شاہکار کو اُردو کا جامہ پہنانا نہ صرف مشکل بلکہ حد درجہ ہمت آزما کام تھا۔ مگر میرے دوست ن۔م۔ راشد صاحب کے اصرار اور حوصلہ افزائی نے اس خدمت کو ——— اگر واقعی اسے کوئی خدمت کہا جا سکتا ہے! ——— انجام دینے پر مجبور کر دیا، جس کے لئے میں اُن کا ممنون ہوں۔

اِبسن کے آرٹ پر کچھ تفصیل سے لکھنا میرے بس کی بات نہیں۔ ایچ۔ ایل۔ منکن۔ H.L. Mencken. کے بصیرت افروز "تعارف" سے بہتر اور جامع کوئی چیز میری

نظر سے نہیں گذری اس لئے اُس کا ترجمہ بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

"بھوت" ایک ہمہ گیر ٹریجیڈی ہے اس کے افراد میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اُس کی زندگی قابلِ رشک ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو منیئہ رز اور جو زِنت داس بھی المیہ کردار ہیں اور اپنی معاشرت اور ماحول کے مارے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے موجودہ ہندوستانی سوسائٹی میں بھی کم لوگ ایسے ہیں جن کو (کسی نہ کسی حیثیت سے) المیہ کردار نہیں کہا جا سکتا ——— !

ترجمہ کرتے وقت میں نے اس ڈرامے میں کوئی تصرّف نہیں کیا سوائے اس کے کہ اسٹیج کی پابندیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ہندوستانی افراد کو عیسائی بنا دیا (یا یوں کہئے کہ عیسائی ہی رہنے دیا کیونکہ ابسن کے اصل ڈرامے کے افراد عیسائی ہی ہیں؛) بیگم فرمان علی ایک جگہ مینڈرز سے کہتی ہے: "آپ کی معاشرت میں عورت کو جدوجہد کرنے کی آزادی ہے اور رسم و رواج اس کا گلا نہیں گھونٹتے۔ ایسے حالات میں جن میں میں گھری تھی۔ میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ میں آپ کا مذہب اختیار کر لوں اور اپنی فرسودہ معاشرت ——— اور مشرقی روح ——— کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دوں . . . . میں نے مذہب تبدیل نہیں کیا صرف معاشرت بدل لی ہے اگرچہ اس کے لئے بظاہر مذہب بھی تبدیل کرنا پڑا . . . . اپنی معاشرت کی اسیر رہ کر میں زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اپنی اور ہندوستانی ہم جنسوں کی طرح، شوہروں کی بے التفاتی اور ظلم کے سبب مجھے بھی تپ دق ہو جاتا ——— !"

اور مترجم بھی یہی کہہ سکتا ہے کہ اگر وہ ابسن کے اس ڈرامہ میں ہندوستانی طرزِ معاشرت کا پورا اور پکا رنگ چڑھانے کی کوشش کرتا تو اس کی "ڈرامائیت" زندہ نہ رہتی۔ اس لئے اس نے مجبوراً اور ضرورتاً افراد کو عیسائی بنا دیا۔ مگر ان کا پس منظر ہندوستانی ہی رہنے دیا۔ اگر ان بظاہر عیسائی افراد کے چہروں کے پیچھے سے ناظرین کو ہندوستانی گھروں کا تمدّن جھانکتا نظر آجائے تو میں سمجھوں گا کہ یہ ترجمہ محض "سعی لاحاصل" ہو کر نہیں رہ گیا۔ جہاں جہاں ضرورت سمجھی گئی ہے کرداروں کے مکالموں میں بھی تھوڑا سا ردّوبدل کیا گیا ہے اور کہیں کہیں کچھ جملے اپنی طرف سے بھی بڑھا دیئے گئے ہیں۔ یہ جملے گو "مخمل میں ٹاٹ کے پیوند" ہی سہی لیکن امید ہے کہ ابسن کی رُوح اور ادب نواز نقّادانِ فن کو گراں نہ گذریں گے۔

اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ میرے عزیز دوست ظہیرالدین احمد صاحب اسسٹنٹ کنٹرولر ملٹری اکاؤنٹس، (اپنے میرٹھ کے دورانِ قیام میں) اپنے خلوص و محبت اور ذہنی ہم آہنگی سے اگر میرے لئے مناسب "فضا" پیدا نہ کر دیتے تو شاید میں کبھی اس ترجمہ کو پورا نہ کر سکتا۔

اسی طرح اگر میرے دوسرے کرمفرما سید احمد رضا صاحب، انکم ٹیکس آفیسر (اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود) ان اوراق پر نظرِ ثانی نہ کرتے تو ان کا موجودہ شکل میں پیش کرنا مشکل تھا۔ چونکہ میں اپنے ان دونوں عزیز دوستوں کا شکریہ الفاظ میں ادا کرنے سے قاصر ہوں، اس لئے مغربی کی زبان میں ؏

"زباں زنگ بستہ ماند و راز من باقی است!"

مظہر عزیز

سردھنہ - ۹ دسمبر ۱۹۴۱ء

تعارف

(از ایچ۔ ایل منکن)

ابسن اب اپنے نکتہ چینوں اور نقّادوں کے حملوں سے زندہ سلامت بچ کر نکل آیا ہے اور ایک مشّاق ڈرامہ نویس کی حیثیت سے (جو وہ دراصل تھا) دنیا کے سامنے ہے!

اب سے بیس برس پہلے لوگ اُس کو رمز نگار، پیغمبر، تخیلی انشاپرداز، جادوگر، چیستان گو، عوام میں سنسنی پھیلانے والا، فحش بکنے والا، سوسائٹی کا دشمن، شیطان کا چیلا، اور نہ جانے کیا کیا کہتے تھے۔ اُس کے مخالفین اور حمایتی دونوں احمق تھے۔

عوام کی فضول، بے معنی بکواس کے گہرے دھند اور دھوئیں میں اصلی ابسن کا دم گھٹ کر رہ گیا اور وہ قریب قریب بالکل ختم ہو چکا تھا۔ دنیا کے تمام معاشرتی، سیاسی اور جمالیاتی عیوب کا علاج بھی اس سے منسوب کیا جاتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ خدا اور نیکی کے خلاف کوئی ایسا جرم نہ تھا جس کا مرتکب اُسے قرار نہ دیا جاتا ہو۔ اس حیص بیص، طوفانِ بدتمیزی، بے جا تعریف اور بدگوئی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ابسن لوگوں کے ذہن میں ایک خیالی عفریت بن کر چھا گیا۔ بھلے مانس اس کا نام سنتے ہی رعشہ براندام ہو جاتے تھے۔ ہر طرف اُس کے خلاف چہ میگوئیاں ہوتی تھیں اور زہر اگلا جاتا تھا، گویا وہ کوئی انسان نہ تھا بلکہ احساسات سے عاری ایک نیم وحشی "مخلوق" تھا!

حقیقت یہ ہے کہ ایسا ابسن کبھی موجود ہی نہ تھا۔ اُس کے بے عقل حمایتی اور خوف زدہ مخالفین اُسے "نسیمت کا دشمن" سمجھے بیٹھے تھے۔ وہ یہ بھی نہ تھا۔ وہ تو متوسط طبقہ کا ایک نہایت محتاط، مروجہ نظامِ معاشرت کے اچھے پہلوؤں کا علمبردار، خوش پوشاک، دوسرے انسانوں کی طرح آرام و آسائش کا حاجت مند اور خواہاں، اور شریف انسان تھا۔ یہ ضرور ہے کہ وہ توہمات اور ریاکاری سے سخت نفرت کرتا تھا۔ مگر اپنی تمام عمر میں اُس نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی یا کسی ایسے خیال کا اظہار نہیں کیا۔ جو عام طور پر روزانہ لوگوں کی گفتگو یا اخبارات کے کالموں میں نہ پایا جاتا ہو۔ وہ اُن تمام باتوں پر ایمان رکھتا تھا جن پر ایک قانون پسند شہری عقیدہ رکھتا ہے۔ جمہوریت، رومانی محبت، احساسِ فرائض، نیکی کی قدر و قیمت ——

ان سب کو اُس نے اپنے ڈراموں میں بہت اچھی طرح پیش کیا ہے۔ اور جب کبھی کسی نے غلط فہمی سے اُس پہ یہ الزام لگایا کہ وہ ان چیزوں کا مذاق اُڑاتا ہے یا ایسے خیالات کا اظہار کرتا ہے جو ان چیزوں کے عین مخالف ہیں تو اُس نے فوراً پُر زور الفاظ میں اس غلط فہمی کا ازالہ کیا اور تلخی کے ساتھ احتجاج کیا کہ ایسی مجنونانہ اور شر انگیز باتوں کو اُس جیسے شریف انسان سے منسوب کرنا صریحاً ظلم اور ناانصافی ہے۔

اگر وہ درحقیقت اُسی قسم کا لاابالی اور بے دھڑک "بت شکن" ہوتا جیسا جہالت پر دہ ڈ کٹ بلا تبینت نے اُس کو سمجھ رکھا تھا، تو وہ ڈرامہ کی دنیا میں ہمیشہ ایک عجوبہ ہی کی حیثیت رکھتا اور اپنا کوئی دائمی اثر نہ چھوڑ سکتا جب تک لوگ اُسے اس قسم کا بُت شکن سمجھتے رہے تو وہ ان کی نظروں میں ایک "عجوبہ روزگار" بنا رہا۔ لیکن جب اوّل اوّل دوسرے ڈرامہ نگاروں نے اور پھر عام پبلک نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ اُس کے خیالات غیر معمولی اور نئے نہ تھے اور جو کچھ اُس نے کہا ہے وہ اصل میں اس سے کچھ مختلف نہ تھا جو ہر معقول آدمی سوچ سکتا ہے، اور اُس کے ڈرامے، باوجود اپنی تخریبی اور انقلابی شان کے مسیحیت اور مسیحی تہذیب و تمدن کے لئے ضرب کاری نہ تھے ——— جب یہ سمجھا جانے لگا تب اس کی قدر لوگوں کو معلوم ہوئی، اور یورپ کے تمام اچھے ڈرامہ نگار اُس کی تقلید کرنے لگے الیسن کے شروع شروع کے پرستاروں کے مقابلہ میں (جو اُس کی تعریف میں بلا سوچے سمجھے اندھا دھند زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تھے) ان فن کاروں کی پیشہ ورانہ تیز نگاہوں نے اُسے زیادہ اچھی طرح دیکھا اور پرکھا۔ اور ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی

کہ ابسن نے کوئی "دھوکے کی ٹٹی" کھڑی نہ کی تھی بلکہ وہ ایک باکمال اور بے مثال ڈرامہ نگار تھا جس نے اُن کو ڈرامہ لکھنے کا ایک نیا ڈھنگ اور بہتر اسلوب سکھایا۔ اس لئے جب یورپ کے ڈرامہ نگاروں نے اس کی تقلید کی تو انہوں نے اُن خیالی "رمزیات" (Mystifications.) کی تقلید نہیں کی جو بیوقوف اُس کے ڈراموں میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے تھے، بلکہ انہوں نے اُس کے سیدھے سادے طرز کی نقل کی جس کی انفرادیت کا راز یہ تھا کہ بدیہی دلائل کو صاف شفاف اور روشن ڈرامائی انداز میں پیش کر دیا جائے مختصراً یہ سمجھنا چاہیئے کہ انہوں نے اس کے فن کی تکنیک کی نقل کی۔ ابسن نے اُن کو انوکھے اور عجیب و غریب خیالات نہیں سکھائے بلکہ روزمرہ کی معمولی باتوں کو فن کارانہ طریقہ پہ ڈرامہ میں استعمال کرنا بتلایا۔

باوجود اُس تمام پریشان کن بکواس کے جو ابسن کی شہرت یا بدنامی کے زمانہ میں کی جاتی تھی، ہر شخص جو آج اُس کے سماجی ڈراموں کو پڑھتا ہے اِس بات کو محسوس کر لیتا ہے کہ ابسن کا مایۂ کمال صرف اس کی تکنیک ہے۔ اور خیالات؟

ہمیں اُس کے ڈراموں میں کیسے خیالات ملتے ہیں؟

وہ ایسے خیالات ہوتے ہیں جو کسی یونیورسٹی کا پروفیسر (گو پروفیسروں کے دماغوں میں نئے خیالات پیدا کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے!) بغیر اپنے دماغ پر زور ڈالے ہوئے پیدا کر سکتا ہے ——————— مثلاً بیوی کے لئے یہ بات بہت ناگوار اور اُس کی بے عزتی کا باعث ہے کہ وہ محض نفسانی اور شہوانی خواہشات پورا کرنے کا

آلہ سمجھی جائے اور ذہنی اعتبار سے اُس کو شوہر سے کمتر درجہ دیا جائے ——— پیشہ ور وطن پرست اور رفاہِ عام کے علمبردار دھوکہ باز ہوتے ہیں ——— جو عورت اپنے آتشک زدہ شوہر کے ساتھ جنسی تعلق قائم رکھتی ہے اُس کی اولاد ذہنی اور جسمانی اعتبار سے ناقص اور ناکارہ ہوتی ہے ——— دنیاوی کاروبار میں ترقی اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے اکثر انسان کو ایسی باتیں کرنی پڑتی ہیں جو ایک شریف اور آپ اپنی عزت کرنے والا" انسان گوارا نہیں کرسکتا ——— شوہر اور بیوی کو اگر کوئی مشترک صدمہ پہنچے تو اُن کے جنسی جذبہ میں کمی ہو جاتی ہے اور پھر ان کے تعلقات زیادہ پائدار بنیادوں پر قائم ہو جاتے ہیں اور وہ روحانی اور ذہنی اعتبار سے ایک دُوسرے سے قریب تر ہو جاتے ہیں ——— اعصابی امراض کی شکار شہوت پرست عورت کو یہ خیال کرکے کہ وہ حاملہ ہوگئی ہے دہشت ہوتی ہے ——— پچاس پچپن برس کی عمر کے مرد کے لئے یہ گدھاپن ہے کہ وہ کسی سترہ سال کی "شمعِ محفل" کے عشق میں مبتلا ہو ———!

اگر آپ کو یہ اجمال پسند نہ آئے تو اُس کے اپنے ڈراموں پر خود ائبسن کے لکھے ہوئے اُن حواشی کو پڑھئے جو Nachgelassene Schriften. میں شامل ہیں اِن میں آپ وہ بات پائیں گے جسے وہ کہنا چاہتا تھا، اور سیدھے سادے الفاظ میں وہ خیالات بھی ملیں گے جن پر اس نے اپنے ڈراموں کا ڈھانچہ تیار کیا ——— آپ دیکھیں گے کہ وہ بلا استثناء حد درجہ آسان اور معمولی سیدھے سادے خیالات ہیں جن میں پُراسرار ہونے کا شائبہ تک نہیں، حتّٰی کہ کوئی ایسی بات بھی نہیں جسے

"جدت" کہا جاسکے۔

ابسن کو خود اپنے اُن ڈراموں کے بارے میں جن میں کچھ خیال آفرینی پائی جاتی ہے۔ کوئی غلط فہمی یا خوش فہمی نہ تھی۔ وہ بڑی سوجھ بوجھ کا انسان اور محنتی ڈرامہ نگار تھا۔ اُس نے کبھی اپنے احمق پرستاروں کے بھونڈے خیالات اور قیاسات کو کوئی فنی اہمیت نہ دی اور نہ اپنے فن پر کوئی اثر ڈالنے دیا۔ شروع سے آخر تک اُس کے فن کا جو "مقصد" تھا وہی رہا اور خارجی اثرات سے آلودہ نہ ہونے پایا۔

اپنی عمر کے اس وقت تک جب اُس کا دماغ خراب ہو گیا تھا ــــــــــــ (وہ اس وقت "John Gabriel Borkman" لکھنے میں مصروف تھا) ــــــ اس نے کوئی ایسی چیز نہیں لکھی جو بدیہی نہ ہو۔ نہ اِس بات کو فراموش کیا کہ وہ اسٹیج پر کھیلے جانے کے لئے ڈرامے لکھ رہا ہے! موعظت اور پند کے لئے لکچر تیار نہیں کر رہا۔

جب جرمنی کے متوسط طبقہ کے جذباتی لوگوں نے اُس کے ڈرامے "گڑیا کا گھر" کو "ایک وقت میں ایک ہی بیوی رکھنے کی رسم کے خلاف ایک بغاوتی تحریر" سمجھا اور اُس کا شمار اُن لوگوں میں کرنے لگے۔ جو "آزاد محبت" کے حامی ہیں تو وہ بہت غضبناک ہوا ــــــ اتنا ہی جتنا ایک شریف، بیوی بچوں والا آدمی ہو سکتا ہے! یہاں تک کہ اُس نے اس ڈرامہ کا خاتمہ از سرِ نو لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا تاکہ اُس کے متعلق جو بکواس جاری تھی وہ بند ہو جاتی! ایک سال بعد اُن خوف زدہ

اخلاقی معلمین کی ہنسی اڑانے کے لئے جو غلطی سے اُس کو "آزاد محبت" کا حامی سمجھے ہوئے تھے، اُس نے اپنا مشہور ڈرامہ "بھوت" لکھا۔ یہ شور و شغب جاری ہی تھا کہ اُس نے اِس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا ارادہ کر لیا اور اُس ارادہ کی تکمیل "جنگلی بطخ" کی صورت میں ہوئی۔

"معمار اعظم" میں اُس نے سماجی بکھیڑوں سے اپنا پیچھا چھڑایا اور خود اپنے آپ کو ڈرامہ میں پیش کیا اور اپنے کھوئے ہوئے شباب پر کچھ تلخ آنسو بہائے۔ اور "Hedda Gabler" میں تو گویا اُس نے ان شور و شغب پیدا کرنے والوں کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دینے کے لئے ایک زور دار ڈرامہ لکھا جو "Feuillet" "Sardou."—"Scribe" بلکہ "Meilhac." اور Halevy. کے ڈراموں کے مواد سے تیار کیا گیا تھا ——— گویا وہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ اوّل اور آخر محض ڈرامہ نگار ہے (کوئی مصلح یا خالی خولی ہوائی باتیں کرنے والا مذہبی پیشوا نہیں) اور کسی دوسرے ڈرامہ نگار سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا فن کار کیوں نہ ہو نیچا نہیں دیکھتا!

ڈرامہ نگار کی حیثیت سے ابسن کا خاص مقصد اخلاقی خیالات کی ترویج نہ تھا بلکہ جمالیاتی اور فنّی مشکلات اور مسائل کا حل پیش کرنا تھا۔

مختصراً یوں سمجھیے کہ وہ واعظ نہیں بلکہ آرٹسٹ تھا ——— اور آرٹسٹ بھی کیسا؟ ——— یعنی وہ خام خیال آرٹسٹ نہیں جو عوام اِس لفظ سے سمجھتے ہیں۔

بلکہ وہ جوہر قابل رکھنے والا محتاط، بالغ نظر، ماہر فن حقیقت نگار جو اپنے فن کی تکنیک کی مشکلوں سے بخوبی واقف تھا!

اُس نے "Practical Dramaturgy." "یعنی فن ڈرامہ نویسی کے عملی پہلو پر بہت زیادہ توجہ دی! مثلاً اُس نے اپنے ڈراموں کے افراد کو اس نظر سے پرکھا اور جانچا کہ وہ اسٹیج پر کیسے معلوم ہونگے اور کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ کے قالب میں پڑھنے والوں پر کیا اثر کرینگے۔ اُس نے "Climax" یعنی "نقطہ عروج" کا اپنے ڈراموں میں خاص خیال رکھا۔ اُسے بخوبی اس بات کا اندازہ تھا کہ کس جگہ پہنچ کر ڈرامہ کی اہمیت اور پورا زور دکھانا چاہیئے۔ اُس نے اس بات پر بہت کم توجہ دی کہ اُس کے ڈراموں کا موضوع کیا ہے اور وہ کس قسم کے خیالات کی اشاعت کر رہا ہے۔ اُس کے لئے ہر خیال اچھا تھا جب تک وہ ایک "Conflict" (کشمکش) کی صورت میں پیش کیا جا سکے! اور اس کشمکش کو موثر اور سیدھے سادے انداز میں پھیلا کر دکھایا جا سکے۔

اُس کے خطوط پڑھنے سے معلوم ہوگا۔ کہ وہ اپنے آرٹ کی تکنیکی مشکلات اور ضروریات کا کتنا خیال رکھتا تھا۔ وہ کبھی اخلاقیات، تدریس، تعلیم، اشاروں کنایوں وغیرہ کا ذکر نہیں کرتا۔ شروع شروع میں جب اُس نے اپنا ڈرامہ "League of Youth" (نوجوانوں کی انجمن) لکھا تھا تو آپ اُس کو مشہور نقاد ڈاکٹر جارج برینڈز (Dr. George Brandes) کے ساتھ ڈرامہ کے کل پرزوں (Dramatic)

(.Machinery پر بحث کرتے اور یہ بات فخریہ طور پر بیان کرتے ہوئے پائیں گے کہ اُس نے بلا .Monologue (وہ الفاظ جو ایک ایکٹر کسی کو مخاطب کئے نہیں بلکہ آپ ہی آپ کہتا ہے) اور .Aside (کسی ایکٹر کے وہ الفاظ جو وہ دبی زبان سے ادا کرتا ہے تاکہ اسٹیج پر دوسرے ایکٹر ان کو نہ سُن سکیں) کا استعمال کئے ہوئے اچھے ڈرامے لکھے ہیں۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد اُس نے .Stage Direction کی تکمیل کی طرف توجہ دی۔ اُس کے ڈراموں کو پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ کس طرح بتدریج اُس نے اِس کی اہمیت پر زور دینا شروع کیا۔ حتّٰی کہ آخر میں تو اُس نے اس کی اہمیّت کو مکالمہ کی اہمیت سے بھی کہیں زیادہ بڑھا دیا۔ اگر آپ واقعی اُس کی اِس خاص فنی خدمت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو اُس کا ڈرامہ "گڑیا کا گھر" غور سے پڑھئے۔ اِس میں پہلی بار اُس کی نئی تکنیک پورے طور پر کام میں لائی گئی ہے۔ یہاں اُس نے اسکرائب ((Scribe)) اور اُس کے ان ہم عصر ڈرامہ نویسوں کے اصولوں کے خلاف جہاد کیا جن کا اثر خود ابسن کے زمانہ کے ڈرامہ نگاروں پر چھایا ہوا تھا اور خود ڈرامہ نگاری کے نئے اصول کی بنیاد ڈالی۔ اُس سے بہت پہلے دوسرے ڈرامہ نگاروں نے ایسے ڈرامے لکھے تھے جن میں خیال آفرینی تھی، اور ایک اعتبار سے ایجاد کا مرتبہ رکھتے تھے؛

Augier کے ڈرامے La Mariage D' Olympe کا بنیادی خیال اتنا ہی دلچسپ اور معقول ہے جتنا "گڑیا کے گھر" کا، اور اُس کے ڈرامے

"Les Effrontes" کا بنیادی خیال تو شاید اِن دونوں سے بہتر تھا مگر ابسن کے "گڑیا کے گھر" میں وہ چیز پیش کی گئی ہے جو Augier Dumasfils—Feuillet اور تمام Empire Dramatists. اپنے ڈراموں میں پیش نہ کرسکے! اور یہ تھا حقیقت کا قطعی اور واقعی احساس دلادینا، جو کچھ بھی ڈرامہ میں پیش کیا جائے اس کی صداقت کا یقین کامل دلادینا اور ڈرامہ کے خارجی لوازمات اور فروعات اور کل پرزوں کو بالکل چھپا لینا!

اور اس نے اِن خارجی لوازمات اور فروعات کو کیسے چھپایا؟

اُن کو ایک سرے ہی سے ترک کرکے۔

اِسکرائب نے ایک حد درجہ پیچیدہ روش ڈرامہ لکھنے کی نکالی تھی۔ اُس کے ڈرامے محنت سے تیار کئے ہوئے مگر خوبصورت ڈھانچے تھے۔ مگر وہ صرف ڈھانچے ہی رہے۔ اور اس ڈھانچے کے کل پرزوں کو چلانے کے لئے بھی اُسے بہت سی چیزوں مثلاً عقلی مفروضات اور امکانات اور انسانی فطرت کی نیرنگیوں کا خون کرنا پڑا۔

اور Feuillet—Augicr اور Dumas جو بہ حیثیت فن کار اسکرائب سے بدرجہا بہتر تھے۔ کمزوری دکھا کر اُس کے راستہ پر چل پڑے۔ مگر اُن کا مشاہدہ اسکرائب سے اچھا تھا اور وہ اپنے گرد و پیش کی اصلی زندگی میں اس کی نسبت زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ اِس لئے گو ان کا ذریعہ فن مصنوعی تھا۔ لیکن پھر بھی وہ چند جیتے جاگتے انسانوں کو اپنے ڈراموں میں پیش کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

مگر وہ مصنوعی تکنیک گویا اُن کے گلے پڑ گئی تھی اور اس سبب وہ اپنی گلو خلاصی نہ کر سکے لیکن ابسن نے یہ کر دکھایا۔ "گڑیا کے گھر" میں اُس نے اس تکنیک کو ہمیشہ کے لیے جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔ ایک الجھے ہوئے پلاٹ کے بجائے جو ایک "پہلے ہی سے سوچے ہوئے نقطۂ عروج" کی طرف خوبصورتی سے بڑھتا جاتا تھا، اس نے شوہر اور بیوی کی زندگی کے، ایک دوسرے سے متعلق، چند منظر پیش کر دیئے اور تذبذب اور جذبات کے متوازن تار و پود کی گتھی ہوئی بناوٹ کے بجائے اس نے ایسا Action (عمل) ایجاد کیا جو بیک وقت تذبذب اور جذبات سے معمور تھا۔ اور پہلے سے سوچی ہوئی تشریحات کے بجائے، جن کے سلسلہ میں پرانے قسم کے قاصد اور نامہ بر اور کانا پھوسی کرنے والی خواصیں اور مہریاں سامنے آتی جاتی ہیں اُس نے خود "قصّہ" ہی سے اپنے آپ کو کہلوایا۔ اس کا جو نتیجہ ہوا وہ ولیم آرچر William Archer کے قول کے مطابق "تھیٹر میں ایک نئے قسم کا تجربہ" تھا۔ تماشہ دیکھنے والے جو محض ڈرامہ نویسوں کے پرانے کرتب، ہیغترے، اور ڈھونگ سے خوش وقت ہونے کے لئے آتے تھے اب گویا دروازہ کی ایک درز میں سے حقیقت کی جھلک دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ابسن کا ڈرامہ کوئی معمولی اسٹیجی ڈرامہ نہ تھا۔ بلکہ ایک طوفان، ایک بلائے بے درمان تھا۔ سکون ملنے کے بجائے اس سے دل و دماغ پر اور زیادہ زور پڑتا تھا۔ اور تمام محسوسات پر ضربِ کاری لگتی تھی یہ تماشہ صرف اسٹیج ہی تک محدود نہ رہتا تھا بلکہ اسٹیج کو پھلانگ کر تماشائیوں کو

بھی محیط کر لیتا تھا۔ اور اسٹیج کی حدوں کو توڑ پھوڑ کر باہر بھی اپنا طلسمی جال پھیلا دیتا تھا۔ اسے دیکھنے والوں کی سانس نیچے کی نیچے اور اُوپر کی اوپر رہ جاتی تھی اور وہ نامربوط گفتگو کرتے ہوئے، دل ہی دل میں کڑھتے، پیچ وتاب کھاتے اور جھلاتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے تھے۔ گو وہ اپنے جذبات کی تحلیل نہ کر سکتے تھے! اور اس کا نتیجہ ابسن کے متعلق لوگوں کی وہ "دیوانگی" تھی جس نے انہیں عرصہ تک واہیات خرافات بکنے پر مجبور رکھا۔ مگر ان ہی دیکھنے والوں میں وہ ڈرامہ نویس بھی تھے جنہوں نے اپنی بینشہ ور آنکھوں سے صاف صاف دیکھ لیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اور انہوں نے اسکرائب کی تقلید چھوڑ کر ابسن کی تقلید کی۔

انگلستان میں Jones اور Pinero اور ان کے بعد Shaw نے ابسن کی پیروی کی۔

جرمنی میں Hauptmann اور Sudermann نے،

روس میں Gorky نے اور اس کے بعد اکثر ڈرامہ نویسوں نے،

فرانس میں Brieux 'Herviev اور اسی قبیل کے لوگوں نے،

اور ان کے علاوہ اٹلی، ناروے، سویڈن اور آسٹریا میں بہت سے غیر معروف ڈرامہ نویس تھے۔ الغرض ابسن نے اسکرائب والا محنت سے تیار کیا ہوا، مکمل، کھیل ختم کر دیا اور ایسا ڈرامہ ایجاد کیا جو حقیقت کی واقعی صحیح نقل تھا۔ اس نے دکھا دیا کہ ڈرامہ میں حقیقت کا پرتو اسکرائب کے طریقے پر عمل کر کے پیدا نہیں ہوتا تھا۔

بلکہ وہ اُس مقصد کے حاصل کرنے میں حارج ہوتا تھا۔ اور اُس نے ثابت کر دیا کہ یقینی اور زبردست اثر پیدا کرنے کا واحد اور سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ سادگی، فطری پن اور فنّی کاریگری سے کام لیا جائے۔

"د گڑیا کے گھر" میں اس نے دو تین کے سوائے باقی تمام پُرانے ڈرامہ نویسی کے گُر اور اصول چھوڑ دیے۔ اور "بھوت" میں تو سب ہی کو یک لخت ختم کر دیا حتّٰی کہ پلاٹ تک کو خیرباد کہہ دیا۔ اور "Little Eyolf" لکھنے کے وقت تک تو وہ ڈرامہ نویسی کے مروّجہ رسمی تکلّفات اور پابندیوں سے بالکل آزاد ہو چکا تھا۔ بس صرف ایک بات کا التزام کرتا تھا۔ وہ یہ کہ اپنے ڈرامے کو مختلف "ایکٹوں" میں تقسیم کر دیتا تھا۔ یہ فنّی اصلاح کرنا آسان کام نہ تھا۔ ایک طرف تو اُسے اپنے "دیوانوں" کے اثر سے بچنا تھا اور دوسری طرف اپنے دشمنوں کے اُن حملوں سے جو اُس کے اخلاق پر کئے جاتے تھے۔ اِس کے علاوہ ایکٹروں کو بھی بہت سی پُرانی باتوں کو بھول جانے اور نئی باتیں سیکھنے کی تعلیم دینی تھی جس سے نہ صرف اُن کے ذاتی رجحانات اور منشیئت کو زک ہوتی تھی، بلکہ کاروبار کو بھی نقصان پہنچتا تھا۔ مگر ابسن کے خیالات کی بنیاد منطق کے معقول اصولوں پر رکھی ہوتی تھی اور اُن میں جدت کا زور تھا۔ اس کے علاوہ وہ اُن نئے ڈرامہ نگاروں کو جو واقعی کچھ کہنا چاہتے تھے ایک نیا موقع اور میدانِ عمل پیش کرتے تھے۔ اس لئے انجام کار اُسے فتح ہوئی۔ آج اسکرائب کی ڈرامہ نگاری کے اُصول اتنے قدیم اور فرسودہ معلوم ہوتے ہیں کہ ان پر ہنسی آتی ہے۔

مگر ابسن، جیسا میں اوپر بیان کر آیا ہوں، اوّل اور آخر ڈرامہ نگار تھا اور ڈرامہ نگار ہی رہا۔ وہ کوئی شر انگیز، لیڈر یا پیغمبری کا دعویدار نہ تھا۔ اُس نے اپنے زمانہ کی زندگی کی صحیح تصویر پیش کی اور اپنے زمانہ کے خیالات کی اشاعت کی اور ان کو اپنے ڈراموں میں استعمال کیا۔ نہ اُسے اُن خیالات کے بدلنے کی خواہش تھی نہ وہ اُن پر نکتہ چینی کرنا چاہتا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ

"ایک ڈرامہ نگار کا فرض سوالوں کے جواب دینا نہیں بلکہ سوال پوچھنا ہے!"

اُس نے "گڑیا کے گھر" میں ایک سوال پوچھا۔ پھر "بھوت" میں دوسرا سوال طنزیہ پیرایہ میں پوچھا۔ اسی طرح اس نے "The Lady from the Sea" "جنگلی بط" اور "Little Eyolf" میں دوسروں ہی سے سوال کئے۔ خود کوئی جواب نہیں دیا۔

"معمار اعظم" میں اس نے اپنی سوال کرنے کی عادت چھوڑ کر محض "آدھا جواب" دینے کی ہمت کی۔ مگر کیا "Hedda Gabler" میں کوئی جواب ہے؟ نہیں، یقیناً نہیں! ابھی تک لوگ اِس ڈرامہ کو کوٹ پیٹ کر کوئی نہ کوئی جواب نکالتے ہیں مگر اختلافِ آرا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ڈرامہ نگار غیر جانبدار تھا! اُس نے خود ایک مرتبہ کہا تھا "اس ڈرامہ میں میرا مقصد کسی مسئلہ سے بحث کرنا نہیں تھا میں تو صرف انسانی فطرت، انسانی جذبات، انسانی قسمتیں اور موجودہ سماجی حالات دکھانا چاہتا تھا" بہ الفاظِ دیگر وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ

" یہ رہی تمہاری سماج، اور یہ رہی تمہاری عورت اور اُس کے افعال! ——————
ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

اسی طرح " Pillars of Society " میں وہ کہتا ہے :

" یہ ہے تمہاری سوسائٹی، یہ ہیں اس کے ارکان، اور یہ ہیں اُن کی حرام خوریاں اور بدمعاشیاں —————— اب بتاؤ، کیا کہتے ہو؟"

جوزف کونراڈ نے ایک مرتبہ اسی بات کو بہت اچھے طریقہ سے یوں ادا کیا تھا :

" جو مقصد میں پورا کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ لکھے ہوئے الفاظ کے زور سے تم کو سُناؤں، تم کو احساس دلاؤں، اور تم کو دکھاؤں کہ —————— یہ ہے اصلیت!
بس یہی میرا مقصد ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں، اور اصل میں یہی سب کچھ ہے۔"

افراد

بیگم فرمان علی۔ شمالی ہندوستان کے ایک بڑے زمیندار خان بہادر نواب فرمان علی
کی ادھیڑ عمر کی بیوہ، جس [illegible]

آشو لٹہ۔ اُس کا جوان بیٹا جو مصوّر ہے۔

ملینڈ ٹرز۔ مقامی گرجا کا خوش رُو ہندوستانی عیسائی پادری جس کی عرصہ سے خان بہادر
نواب فرمان علی کے یہاں آمد و رفت ہے اور جس کے اثر سے بیگم فرمان علی نے اپنا
مذہب تبدیل کیا ہے۔ اُس کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ ہو گی۔ اُس کے سر پہ
مذہب کا بھوت سوار ہے۔

جوزف داس۔ ایک چمار جس نے عیسائی ہو کر بڑھئی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے لیکن جس کے
عادات و اطوار اور لب و لہجہ اور طرزِ گفتگو میں مذہب بدلنے سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی
ریحینا۔ جوزف داس کی نوخیز مستِ شباب، بیٹی جس کو اُس کی ماں کے مرنے کے بعد بیگم
فرمان علی نے پالا ہے اور اپنے ساتھ رکھ کر تعلیم دلائی ہے۔ وہ بیگم فرمان علی کے گھر میں
خادمہ کی حیثیت سے رہتی ہے۔ حد درجہ مہذب اور شائستہ ہے اور کسی طرح بھی
جوزف داس کی بیٹی نہیں کہی جا سکتی۔

بیگم فرمان علی کا بنگلہ جو دامن کوہ میں شمالی ہندوستان کے ایک مشہور تاریخی قصبہ میں واقع ہے

منظر:- بائیں باغ سے ملا ہوا ایک کمرہ جس میں داہنی جانب دو دروازے ہیں اور بائیں جانب ایک دروازہ ہے۔ کمرہ کے بیچوں بیچ ایک گول میز کے گرد کرسیاں رکھی ہوئی ہیں اور میز پر کچھ کتابیں، رسالے اور اخبار بے ترتیبی سے پڑے ہوئے ہیں۔ پیش منظر میں بائیں طرف دیوار میں ایک کھڑکی ہے جس کے قریب ایک صوفا اور صوفے کے سامنے ایک چھوٹی میز ہے۔

اس کمرہ کے پیچھے ایک چھوٹا عقبی کمرہ ہے۔ ان دونوں کمروں کے بیچ کی دیوار میں

ایک دروازہ ہے اور عقبی کمرہ میں بائیں جانب بھی ایک دروازہ ہے جو بائیں باغ کی طرف کھلتا ہے عقبی کمرہ کی پچھلی دیوار میں شیشوں کی ایک بڑی کھڑکی ہے ان شیشوں میں سے متواتر بارش کی وجہ سے دور پہاڑی کی چوٹیاں اور گھاٹیاں دھندلی دھندلی نظر آرہی ہیں۔

جوزف داس بائیں باغ میں کھلنے والے دروازہ کے پاس کھڑا ہے۔ اس کی بائیں ٹانگ میں کچھ کجی ہے اس لئے وہ اپنے بائیں پیر کے جوتے کے تلے میں لکڑی کا موٹا سا ٹکڑا لگائے ہوئے ہے۔ ریجینا ہاتھ میں ایک چھوٹی سی قینچی لئے اسے اندر آنے سے روکنے کی کوشش کر رہی ہے ....)

ریجینا۔ (دبی ہوئی آواز میں غصّہ سے کہتی ہے) تم کیا چاہتے ہو؟ بس جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ آگے مت آؤ۔ دیکھو، تمہارے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا ہے! فرش خراب ہو جائے گا۔

جوزف داس۔ ارے باؤلی! یو (یہ) تو کھدا (خدا) کی رحمت ہے۔

ریجینا۔ خدا کی رحمت ہے یا شیطان کی لعنت! بند ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ ہر وقت بارش! ہر وقت بارش!

جوزف داس۔ ہے عیسیٰ مسیح! رجنی کیسے بول بولتی ہے! (لنگڑاتے ہوئے چند قدم آگے بڑھ آتا ہے) رجنی، میں تجھے یو (یہ) کہوں ہوں ——

ریجینا۔ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر لڑھکتے مت پھرو اور شور مت مچاؤ۔ چھوٹے سرکار کو

پر سو رہے ہیں۔

جوزف داس۔ ابھی تلک سو رہا ہے، چھوٹی سرکار، دوپہری ہیں بھی!

ریجینا۔ خیر! یہ اُن کا کام ہے۔ تمہیں اس سے کیا؟

جوزف داس۔ ہماری (ہماری) تو ساری رات شراب (شراب) کی بھٹی پہ بیت گئی۔

ریجینا۔ اِس کے علاوہ اور تم سے کیا امید کی جاسکتی ہے؟

جوزف داس۔ بیٹی، تُو تو گسّے ہو دَن لگی (غصہ ہونے لگی) ارے ہم سب کم جور (کمزور) آدمی ہی تو ہیں۔ اور گلتی (غلطی) آدمی سے ہو ہی جاوے ہے!

ریجینا۔ تو پھر؟

جوزف داس۔ دنیا میں بہت مجے (مزے) ہیں ...... ہا ہا ہا! ...... یو بہوت مجے (مزے) ہیں! ارے باؤلی، تجھے کچھ پتہ بھی ہے؟ پر تو یو (یہ) دیکھ لے اَک (کہ) میں ساڑھے پانچ بجے صبح اپنے کام پہ موجود تھا!

ریجینا۔ اچھا اچھا، زیادہ باتیں نہ بناؤ اور چلتے بنو۔ "Get Out" (گیٹ آؤٹ)

جوزف داس۔ تو یو (یہ) کون لپھج (لفظ) بول دی۔

ریجینا۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی تمہیں مجھ سے باتیں کرتے دیکھے۔ اب تو سمجھ میں آگیا لو! اب جاؤ۔

جوزف داس۔ (چند قدم اور آگے بڑھتے ہوئے) میں تو نہ جاتا۔ میں آج تیرے منہ سے ایک بات کہے بنا ہرگج (ہرگز) نہ جاؤں گا۔ سن، آج میرا کام پورا ہو،

جاوے گا، اور میں آج رات کو ریل گاڑی سے اپنے گاؤں چلا جاؤں گا۔

ریجینا۔ (بڑبڑاتی ہے) خس کم جہان پاک! (بلند آواز سے) خدا حافظ!

جوزف داس۔ اَیو (ہے) جو یتیم کھانہ (یتیم خانہ) بنا ہے اکل یہاں بڑا بھاری جلسہ ہوگا۔ تیں نے بھی سُنا؟ اور کل کھوب (خوب) سراب (شراب) لنڈھے گی، ہا، رتجی، تو دیکھیو اَکَ (کہ) کوئی مائی کالال اَیو (ہے) نہ کہہ سکے گا اَکَ (کہ) زوجف داس سراب (شراب) سے الگ نہیں رہ سکتا، ہاں! تو کچھ سمجھی بھی!

ریجینا۔ اوہو!

جوزف داس۔ ہاں، تو دیکھ لیو۔ کل یہاں بڑے بڑے لوگ آویں گے۔ پادری مَینڈر (مینڈرز) صاحب بھی آرہا ہے!

ریجینا۔ کل نہیں، وہ آج ہی آرہے ہیں۔

جوزف داس۔ دیکھو! میں کیا جھوٹ بولوں ہوں۔ پر میں ہوسیار (ہوشیار) رہوں گا۔ وہ پادری صاحب میری کوئی بات نہیں پکڑ سکتا!

ریجینا۔ اوہ! تو یہ ہے چال تمہاری! مکّار کہیں کے!

جوزف داس۔ لونڈی، تیرا کی (کیا) مطبل (مطلب) ہے؟ کچھ کہہ تو سہی۔

ریجینا۔ (معنی خیز نگاہوں سے جوزف داس کو دیکھتے ہوئے) یہ بتاؤ کہ اس مرتبہ مسٹر مینڈرز کو دھوکا دینے کے لیے یہ نیکی کا ڈھونگ تم کیوں رچا رہے ہو؟

جوزف داس۔ اری لونڈی، کیا تو باؤلی ہو گئی؟ میں مینڈر (مینڈرز) صاحب کو

دھوکا دوں گا؟ ہے عیسو مسیح! بلینڈر (بلینڈرز) صاحب بڑے اچھے، بڑے دیالو، بڑے سبھاؤ کے آدمی ہیں۔ میں انہیں دھوکہ کیوں دینے لگا؟ پر، رجنی! تیرے سے میں جو بات کہوں تھا وہ یو (یہ) ہے۔ آک (کہ) آج رات میں گھر جارہا ہوں۔

ریجینا۔ جتنی جلدی تم چلے جاؤ گے اُتنی ہی مجھے خوشی ہوگی۔

جوزف داس۔ ہاں، یو (یہ) تو میں جانوں ہوں آک (کہ) میرے جانے پا (پیچھے) تو بہت کھوس (خوش) ہوگی۔ پر تو میرے ساتھ چلے گی۔

ریجینا۔ (جس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا ہے) تم مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو ——— ؟ کیا کہا تم نے ؟

جوزف داس۔ میں نے کہا میں تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

ریجینا۔ (نفرت اور حقارت کے لہجہ میں) اب تم مجھے کبھی اپنے ساتھ گھر نہ لیجا سکو گے۔

جوزف داس۔ اچھی بات ہے۔ دیکھ لینگے ہم بھی!

ریجینا۔ ہاں، میں بھی دیکھوں گی کہ تم کس طرح مجھے اپنے ساتھ لیجاؤ گے! مجھے جیسے بیگم فرمان علی جیسی شریف خاتون نے اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا ہے، کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اب تمہارے ساتھ گھر جاؤں گی؟ تمہارے گھر میں؟ اُوں ہُوں! ناممکن!

جوزف داس۔ کیا بکتی ہے چھوکری؟ اپنے باپ کا مخابلہ (مقابلہ) کرے گی؟

ریجینا۔ (زیرِ لب کہتی ہے) تم ہی نے تو بارہا مجھ سے کہا کہ میں تمہاری بیٹی نہیں۔
جوزف داس۔ اوہ — تو اس بات کا اتنا جیاوے (زیادہ) کھیال (خیال) کیوں کرے ہے؟
ریجینا۔ کیا تم نے مجھے بہت دفعہ گالیاں نہیں دیں۔ اور مجھے "ح رام ......" نہیں کہا؟ تمہیں شرم تو نہیں آتی!
جوزف داس۔ میں کسّم (قسم) سے کہوں ہوں اک (کہ) میں نے کبھی تجھے یو (یہ) بات نہیں کہی۔
ریجینا۔ اوہ، اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تم نے کون سا لفظ استعمال کیا اور کون سا نہیں کیا؟
جوزف داس۔ بیٹی، یو (یہ) تو سوچ اک (کہ) میں جب تیرے اوپر گُسّہ (غصہ) کیا تو اُس سمے میں نسّے (نشہ) میں تھا ...... اری باؤلی، دنیا میں بہت مُجے (مزے) ہیں۔ اور آدمی اُن سے نہیں بچ سکے ہے! ہاہاہا!
ریجینا۔ اونہہ! پھر وہی بکواس!
جوزف داس۔ اور تجھے پتہ بھی اک (کہ) میں نے نسّہ کیوں کیا؟ وہ جو تیری ماں تھی ریکینا، اُس سُندری کے سُبھاؤ (مزاج) ہی نہیں ملیں تھیں (ملتے تھے)۔ مجھے اُس کے اُوپر گُسّہ (غصہ) آوے تھا اور یوں جی کرے تھا اک (کہ) اُس کے پیٹ میں چھُرا بھونک دوں۔ بس میں نسّہ (نشہ) کرنے لگا۔ اور

پھر جب مجھے اُس کے اوپر گُسّہ (غصّہ) آوے تھا تو میں اُس کا مجاز (مزاج) ٹھیک بنا دوں تھا۔ اور پھر وہ رَول (شور) مچاوے تھی (رُکمنیا کی آواز کی نقل کرتا ہے) "ارے چھوڑ دے مجھے مت مار، میں نواب کے گھر تین برس کام کر چکی ہوں۔ نواب بڑا آدمی ہے۔ اُسے دربار میں کرسی ملے ہے!" (ہنستا ہے) وہ باؤلی یُو (یہ) بات ہی نہ بھولے تھی (بھولتی تھی) اک (کہ) نواب کو دربار میں کرسی ملے تھی!

ریچھنیا۔ میری بے چاری ماں! تم نے اُسے تکلیفیں دے دے کر مار ڈالا۔

جوزف داس۔ (اپنے مونڈھوں کو سکیڑتے ہوئے) ہاں، ہاں، ساری کھوطا (خطا) تو میری ہی ہے!

ریچھنیا۔ (مڑتے ہوئے زیرِ لب کہتی ہے) "Murderer (مرڈرر)"

جوزف داس۔ کیا کہا تو نے؟ کیا انگریجی (انگریزی) بولی تھی تو؟

ریچھنیا۔ ہاں۔

جوزف داس۔ اری تو تو یہاں بہت پڑھ گئی۔ یُو (یہ) تیرے کام آوے گا!

ریچھنیا۔ (کچھ دیر چپ رہ کر) تم مجھے وہاں گاؤں میں کیوں لے جانا چاہتے ہو؟

جوزف داس۔ اب یُو (یہ) بھی میں ہی بتاؤں اَک (کہ) ایک باپ کیوں اپنی بیٹی کو اپنے پاس رکھنا چاہے ہے؟ میں اکیلے میں گھبراؤں ہوں؟ اب میں بالکل اکیلا رہ گیا!

رچینیا۔ اوہ، میرے سامنے یہ باتیں نہ بناؤ۔ یہ بتاؤ کہ کس لئے تم مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو؟

جوزف داس۔ اچھا تو سُن، بتاتا ہوں۔ اب میں اپنا جیون سدھاروں گا۔

رچینیا۔ (ہونٹوں سے ہلکی سی سیٹی بجاتی ہے) اس کی تو تم پہلے بھی کئی بار کوشش کر چکے ہو، مگر کبھی کامیاب نہ ہو سکے!

جوزف داس۔ پر، رچنی، اب کے تو دیکھیو آک (کہ) میں کیسا سریپھ (شریف) بن کے رہوں ہوں۔ (جوش میں آکے کہتا ہے) جو میں ایسا نہ کروں تو تو مجھے جان سے مار دیو (مار دینا)۔

رچینیا۔ (زمین پر پیر مارتے ہوئے) چُپ! فضول شور نہ مچاؤ۔

جوزف داس۔ شش شش! تو ٹھیک کہے ہے ری، چھوکری۔ میں تو تجھے یو (یہ) کہوں تھا آک (کہ) میں نے یہاں اتنے دنوں کام کرکے کچھ روپیہ جوڑ رکھا ہے۔

رچینیا۔ اچھا، یہ تو اچھی بات ہے!

جوزف داس۔ پر گاؤں میں جاکے یو (یہ) کس بات میں کھرچ (خرچ) ہوگا؟ وہاں تو کھرچ (خرچ) کرنے والی کچھ بات ہی نہیں!

رچینیا۔ تو کیا ارادہ ہے؟

جوزف داس۔ میں نے سوچ لیا ہے آک (کہ) اسے کام میں لگاؤں گا اور پلٹن (فوج کا ایک حصّہ۔ Platoon) کے سپاہی لوگوں کے واسطے کھانے کی

دوکان چھپاؤنی میں کھولوں گا۔

ریجینا۔ او، میرے خدا!

جوزف داس۔ وا (وہ) بڑی بھاری دکان ہوگی چھوٹی موٹی نہیں۔ وہاں سپاہی لوگ ہی نہیں بڑے بڑے اپھسر (افسر) آیا کریں گے۔ کیا کہیں ہیں ری اُسے، بتا تو! تُو تو انگریجی (انگریزی) جانے ہے۔ ....

ہوٹل۔ ہاں، ہاں! ہوٹل! میں ہوٹل کھولوں گا۔

ریجینا۔ اور وہاں میں کیا ———؟

جوزف داس۔ تو میرے ساتھ ہوٹل چلائیو۔ جیادے (زیادہ) کام نہ لوں گا تیرے سے۔ جتنا تیری راجی (رضا) ہو کریو (کرنا)

ریجینا۔ بہت خوب!

جوزف داس۔ پر ہوٹل میں کچھ ناچ رنگ بھی تو جروری (ضروری) ہے۔ ہر نگا (ورنہ) جیون اور موت سے کھیل کرنے والے سپاہی بنا کسی مجے (مزے) کے وہاں نہیں آنے کے (وہاں نہیں آئیں گے) (ریجینا کے قریب آتے ہوئے) اچھا، رجنی، دیکھ! اپنی اینٹھ میں مست رہ۔ بھلا یہاں رہ کے تجھے کیا پھایدہ (فائدہ) ہوگا۔ جو تو اس یتیم کھانے (یتیم خانہ) میں کام کرنے لگی۔ تو یاد رکھیو، تیرا سارا پڑھا لکھا بس ڈوب ہی جاوے گا۔ تجھے یو (یہ) کام نہیں سہاتا (زیب دیتا) اری تو ان بنا ماں باپ کے لونڈوں کی کھاطر (خاطر)! ....

جوانی کھو دے گی؟
ریجینا۔ نہیں لیکن اگر جو کچھ میں چاہتی ہوں اسی کے مطابق سب کچھ ہوا ______ تو! ..... خیر ..... ممکن ہے ..... نہیں بھی ہے ..... کون جانے! ..... اور ..... ممکن ہے کبھی تو!
جوزف داس۔ تو کیا من ہی من میں حساب لگا رہی ہے گی؟
ریجینا۔ اوہ، چھوڑو اس ذکر کو۔ تم نے کتنا روپیہ جوڑا ہے؟
جوزف داس۔ پانچ چھ سو ہو گئے۔
ریجینا۔ یہ تو بڑی رقم نہیں۔
جوزف داس۔ ہاں، کام شروع (شروع) کرنے کو کافی (کافی) ہے۔
ریجینا۔ اس روپیہ میں سے کچھ مجھے نہ دو گے؟
جوزف داس۔ نہیں۔ ایک دمڑی نہ دونگا۔
ریجینا۔ کیا تم میرے لئے اتنا بھی نہ کرو گے کہ میرے واسطے ایک ساڑھی اور شلوکہ کا کپڑا ہی بھیج دو۔
جوزف داس۔ تو میرے ساتھ چل۔ ایک نہیں، کئی ساڑھیاں اور شلوکے لے لے تو چل تو سہی۔ پھر دیکھیو میں تجھے کیسا سکھی رکھوں ہوں (رکھتا ہوں)
ریجینا۔ اونہہ! میں جو چیز چاہوں بیگم فرمان علی سے کہہ کر لے سکتی ہوں۔
جوزف داس۔ پر تجھے سب کام اپنے باپ کی مرجی (مرضی) سے کرنے چاہئیں ابھی تو میں رجمنٹ باجار (رجمنٹل بازار Regimental Bazar) میں ایک

مگر لے لوں گا سستے داموں بکاؤ ہے۔ بُرا نہیں۔ آسے ہی ہم پلٹن کا ہوٹل بنا لینگے
سمجھی تو؟

ریجینا۔ مگر میرا ارادہ تمہارے ساتھ رہنے کا نہیں۔ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس
لئے اب یہاں سے چل دو۔

جوزف داس۔ تجھے جیادے (زیادہ) دن میرے ساتھ رہنا نہ پڑے گا کسمت (قسمت)
کی بات ہے...... تجھے سمجھ ہوگی تو...... پچھلے دو تین برس میں تو کیسی
کھبسورت (خوبصورت) ہو گئی ہے ——!

ریجینا۔ اچھا!

جوزف داس۔ جلدی کوئی جنریل کرنیل (جنرل، کرنل) یا کوئی بڑا بھاری اپھسر
(افسر) ——

ریجینا۔ میں کسی ایسے آدمی سے شادی نہیں کروں گی۔ فوجی لوگ تہذیب اور لطیف
احساسات سے عاری ہوتے ہیں۔

جوزف داس۔ کیا کہا تو نے، کیا ہوں میں (ہوتے ہیں) وہ؟

ریجینا۔ میں جانتی ہوں سپاہی کیسے ہوتے ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ وہ شادی کرنے
کے لئے موزوں نہیں ہوتے۔

جوزف داس۔ اری، تو سادی (شادی) بیاہ کے بکھیڑوں میں نہ پڑ —— اصلی
چیز تو روپیہ ہے —— روپیہ! (رازدارانہ لہجہ میں) وہ جو نواب صاحب

تھا ——— اُس نے رکمنیا کو تین سو روپے دیئے تھے ——— اور میں سچی بات کہوں ہوں (کہتا ہوں) آک (کہ) رکمنیا تو تیرے پیر کا دھووَن بھی نہ تھی!

ریچینا۔ (جوزف داس کی طرف غصّہ سے بڑھتے ہوئے) دُور ہو جا، کمبخت! نکل یہاں سے!

جوزف داس۔ (پیچھے ہٹتے ہوئے) دیکھ! دیکھ! مار یو مت (مارنا مت)

ریچینا۔ اگر تو نے میری ماں کے بارہ میں ایسی باتیں کیں تو میں تجھے بہت ماروں گی نکل یہاں سے بے حیا! (باغیچہ کے دروازہ کی طرف اُسے دھکیل دیتی ہے) اور دیکھ، دروازہ زور سے بند نہ کرنا ——— چھوٹے سرکار آرام ———!

جوزف داس۔ ہاں، ہاں، پتہ ہے آک (کہ) چھوٹا سرکار سو وے ہے (سو رہا ہے) یہ تو کیوں نواب کے لونڈے کے واسطے مری جاوے ہے (سرگوشی کے انداز میں) اوہو! اب میں سمجھا۔ واہ ری چھوکری! ——— تو یو (یہ) بات ہے .... ہاہاہا؛

ریچینا۔ نکل یہاں سے۔ جلدی نکل (چھڑی ہلا کر) ورنہ ماروں گی۔ نہیں، نہیں، اُس راستہ سے نہیں۔ اُدھر سے مسٹر ملینڈرز آنے والے ہیں۔ باورچی خانہ کی طرف سے نکل جاؤ۔

جوزف داس۔ (داہنی طرف مڑتے ہوئے) اچھا، اچھا۔ پر وہ جو پادری صاحب

آ رہا ہے تو جرا (ذرا) دیہ اُس سے بات کر لو۔ وُہ تجھے بتا دے گا اک (کہ) باپ کو بیٹی کے اوپر کیا حاک (حق) ہوں ہیں (ہوتے ہیں) چاہے ہیں کیسا بھی ہوں، ہُوں تو تیرا باپ! فوتی پیدائسی (فوتی پیدائشی) کے رجسٹر (رجسٹر) ہیں بھی یو (یہ) ہی لکھا ہے۔

(وہ دوسرے دروازہ سے جسے ریجینا نے کھول دیا ہے۔ باہر نکل جاتا ہے۔ ریجینا دروازہ بند کر لیتی ہے اور جیب سے ایک چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنا چہرہ اس میں دیکھتی ہے اور رومال سے پسینہ پونچھ کر اپنے آپ کو ہوا کرتی ہے۔ پھر اپنے بال ٹھیک کر کے کمرہ میں رکھے ہوئے پھول سجانے لگتی ہے۔ میندرز عقبی کمرہ میں باغیچہ کی طرف کے دروازہ سے داخل ہوتا ہے۔ وہ ایک اوور کوٹ پہنے ہوئے ہے، ہاتھ میں چھتری لئے ہوئے ہے اور اس کے کندھے پر چمڑے کے ایک تسمہ کے سہارے ایک چھوٹا سا سفری بیگ لٹک رہا ہے۔)

پینڈرز۔ گڈ مارننگ مس داس۔

ریجینا۔ (مڑ کر استعجاب اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ) اوہ مسٹر پینڈرز، گڈ مارننگ۔ آپ گھوڑے پر آئے ہیں؟ کیا اسے اصطبل میں بندھوا دیا گیا؟

پینڈرز۔ ہاں، یہ روز روز کی بارش تو مصیبت ہو گئی!

ریجینا۔ (اس کے قریب جاتے ہوئے) مگر مسٹر پینڈرز، کسانوں کے لئے تو یہ بڑی اچھی بارش ہے۔

ملینڈرز۔ ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہم شہر میں رہنے والے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے

(اوورکوٹ اتارنے لگتا ہے)

ریجینا۔ لائیے میں اتار دوں، (اوورکوٹ اتارنے میں مدد دیتی ہے) آرے! یہ

تو بہت بھیگا ہوا ہے۔ لائیے میں اسے دوسرے کمرہ میں ٹانگ آؤں۔ لائیے

چھتری بھی مجھے دے دیجئے۔ میں اسے کھول کر سکھا دوں گی۔

(ریجینا ان چیزوں کو لے کر داہنی جانب کے دروازہ سے باہر جاتی ہے۔

ملینڈرز اپنا بیگ اور ہیٹ ایک کرسی پر رکھ دیتا ہے۔ ریجینا پھر کمرہ میں آجاتی

ہے)

ملینڈرز (اطمینان کا سانس لیتے ہوئے) کہو ریجینا، یہاں تو سب خیریت ہے؟

ریجینا۔ جی ہاں، شکریہ۔

ملینڈرز۔ تم بہت مشغول نظر آتی ہو۔ کیا کل کی تیاریوں میں مصروف ہو؟

ریجینا۔ جی ہاں، ابھی بہت کام پڑا ہے۔

ملینڈرز۔ بیگم فرمان علی تو یہیں ہیں نا؟

ریجینا۔ جی ہاں، وہ یہیں ہیں۔ ابھی ابھی چھوٹی سرکار کے لئے گلاس میں دودھ

لے کر اوپر گئی ہیں۔

ملینڈرز۔ میں نے اسٹیشن پر سنا تھا کہ نواب زادہ صاحب آئے ہیں۔

ریجینا۔ جی ہاں، وہ کل تشریف لائے ہیں۔ ان کے آنے کی خبر تو آج کی تھی۔

بلینڈرز۔ تندرست ہیں نا؟
ریحینا۔ جی ہاں، وہ تو اچھے ہیں۔ کچھ سفر کی تکان ہے۔ وہ رنگون سے سیدھے
نہیں آئے، میرا مطلب یہ ہے کہ راستہ میں کہیں قیام نہیں کیا شاید
وہ ابھی تک سو رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں آہستہ آہستہ باتیں کرنی
چاہئیں۔ مجھے امید ہے، مسٹر بلینڈرز، کہ آپ میرے اس کہنے کا بُرا نہ
مانیں گے۔
بلینڈرز۔ نہیں نہیں۔ میں ایسی باتوں کا بُرا نہیں مانتا۔
ریحینا۔ (ایک آرام کرسی کو میز کے برابر رکھتے ہوئے) آپ تشریف رکھئے، مسٹر
بلینڈرز، آرام سے بیٹھئے۔ (بلینڈرز کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ ریحینا ایک اسٹول
اس کے پاؤں کے نیچے رکھ دیتی ہے) کہئے، ٹھیک ہے نا؟
بلینڈرز۔ شکریہ (کچھ دیر تک ریحینا کی طرف دیکھتا رہتا ہے) میں کہتا ہوں، میس
داس، جب میں نے تم کو آخری مرتبہ دیکھا تھا۔ اس کے مقابلہ میں اب تم
بہت زیادہ بڑی معلوم ہوتی ہو۔ تم تو بالکل جوان ہوگئی ہو!
ریحینا۔ اچھا، کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے؟ بیگم صاحبہ بھی یہی کہتی ہیں کہ میں بڑی
ہوگئی ہوں۔
بلینڈرز۔ بڑی ہوگئی ہو! ہاں، تم بڑی ہوگئی ہو ——— مگر تناسب اور
موزونیت کے ساتھ (وقفہ)

ریجینا۔ کیا میں بیگم صاحبہ کو اطلاع کر دوں کہ آپ تشریف لے آئے ہیں؟
پلینڈرز۔ نہیں، کوئی جلدی نہیں میری بچی، ہاں، ریجینا، یہ تو بتاؤ کہ تمہارے
والد کیسے ہیں؟
ریجینا۔ شکریہ، مسٹر پلینڈرز، وہ مزے میں ہیں۔
پلینڈرز۔ جب آخری بار وہ شہر گئے تھے تو مجھ سے ملنے آئے تھے۔
ریجینا۔ وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں۔
پلینڈرز۔ تم تو قریب قریب اُن سے ہر روز ملتی رہتی ہو گی؟
ریجینا۔ جی ہاں، میں اُن سے ملتی رہتی ہوں ——— میرا مطلب یہ ہے کہ
جب کبھی مجھے فرصت ہوتی ہے تو مل لیتی ہوں۔
پلینڈرز۔ مس واس، آپ کے والد کا کیرکٹر کچھ زیادہ مضبوط نہیں۔ اُنہیں ایک
راہنما اور مشیرِ کار کی سخت ضرورت ہے۔
ریجینا۔ جی ہاں، آپ بجا فرماتے ہیں۔ مجھے آپ کی بات کا یقین ہے۔
پلینڈرز۔ اُنہیں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جس پر وہ بھروسہ کر سکیں اور
جس کی رائے پر اُنہیں اعتماد ہو۔ جب وہ آخری مرتبہ مجھ سے ملے تھے۔ تو
انہوں نے اپنی یہ ضرورت بیان کی تھی۔
ریجینا۔ کچھ اسی قسم کی باتیں انہوں نے مجھ سے بھی کی ہیں۔ معلوم نہیں بیگم صاحبہ
میرے بغیر کام چلا سکیں گی یا نہیں ——— خصوصاً اِس وقت جب

ہمیں یتیم خانہ کی دیکھ بھال کرنی ہے اور میں ——— میں خود بھی بیگم صاحبہ کا ساتھ چھوڑنے پر خوشی سے رضامند نہیں۔ وہ مجھ پر ہمیشہ بہت مہربان رہی ہیں۔

بلینڈرز۔ مگر میری بچی، تم کو بہ حیثیت بیٹی کے بھی تو اپنا فرض پورا کرنا چاہیئے۔ مگر ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ تمہارے بارہ میں ہمیں پہلے بیگم صاحبہ کی اجازت لینی ہوگی۔

ریجینا۔ میرا خیال ہے کہ میری عمر کی لڑکی کے لئے ایک "تنہا" مرد کے گھر کی دیکھ بھال ٹھیک نہیں۔

بلینڈرز۔ ہیں! مس داس، تم اپنے والد کے متعلق کیسی باتیں کر رہی ہو؟

ریجینا۔ کاش وہ ——— اگر وہ شریف آدمی ہوتے!

بلینڈرز۔ مگر، ریجینا ———

ریجینا۔ اگر وہ ایسے ہوتے کہ میں اُن سے اپنے حقیقی باپ کی طرح محبت کر سکتی ——— اور اپنے آپ کو اُن کی بیٹی سمجھ سکتی ———

بلینڈرز۔ اچھا، اچھا، نیک بخت لڑکی ———

ریجینا۔ میرا جی شہر میں رہنے کو بہت چاہتا ہے۔ یہاں اس گاؤں میں مجھے بہت تنہائی محسوس ہوتی ہے، اور، مسٹر بلینڈرز، اس کا اندازہ تو آپ کو بھی ہوگا کہ دنیا میں بالکل تنہا ہونے کا احساس کیسا ہوتا ہے! اگر آپ اسے خود ستائی

نہ سمجھیں تو میں کہوں گی کہ میں کام میں بہت مستعد ہوں اور ہر کام دل لگا کر کرتی ہوں۔ کیا آپ کوئی ملازمت ایسی تجویز کر سکتے ہیں جو میرے لئے موزوں ہو؟

بلینڈرز۔ نہیں، نہیں! میں اس معاملہ میں مجبور ہوں۔
ریجینا۔ مگر مسٹر بلینڈرز، کوئی ایسی جگہ ہو تو مجھے نہ بھول جائیے گا۔
بلینڈرز۔ اچھا (اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے)
ریجینا۔ کیونکہ ——— اگر میں ———
بلینڈرز۔ مہربانی کر کے بیگم فرزان علی کو میرے یہاں آنے کی اطلاع کر دو۔
ریجینا۔ میں ابھی اُن کو بلا کر لاتی ہوں (بائیں دروازہ سے باہر جاتی ہے)
(بلینڈرز کمرہ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک یا دو چکر لگاتا ہے ایک لمحہ کے لئے اپنے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ کر کھڑا رہتا ہے اور باغیچہ کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ پھر واپس میز تک آتا ہے۔ ایک کتاب اٹھاتا ہے مگر اُس پر "دوادرا" لکھا دیکھ کر چونک پڑتا ہے اور جلدی سے اسے میز پر رکھ دیتا ہے۔ اور دوسری کتابوں کے ناموں پر نظر ڈالتا ہے۔ اُس کے چہرہ پر تردد کے آثار نمودار ہوتے ہیں)
بلینڈرز۔ ہوں ———!
(بیگم فرزان علی بائیں دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ اُس کے پیچھے ریجینا

آتی ہے مگر داہنی طرف کے دروازہ سے باہر نکل جاتی ہے)

بیگم فرمان علی۔ (اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے) مسٹر بلینڈرز! آپ نے بڑا کرم فرمایا۔

بلینڈرز۔ (مصافحہ کرتے ہوئے) آپ کے مزاج تو اچھے ہیں؟ میں تو حسب وعدہ حاضر ہو گیا۔

بیگم فرمان علی۔ آپ ہمیشہ وقت کی پابندی کرتے ہیں۔

بلینڈرز۔ بڑی مشکل سے کمیٹیوں اور جلسوں وغیرہ سے پیچھا چھڑا کر آیا ہوں ——

بیگم فرمان علی۔ آپ کا بہت شکریہ۔ واقعی آپ بہت اچھے وقت آئے دوپہر کے کھانے سے پہلے پہلے ہم کاروبار کی باتیں ختم کر دینگے۔ مگر آپ کا اسباب کہاں ہے؟

بلینڈرز۔ (جلدی سے) میں اپنا سامان بنئے کی دُکان پر چھوڑ آیا ہوں۔ میں وہیں رات کو سوؤں گا۔

بیگم فرمان علی۔ (مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے) کیا میں اس مرتبہ آپ کو یہیں قیام کرنے پر مجبور کر سکتی ہوں؟

بلینڈرز۔ نہیں، نہیں، بہت بہت شکریہ۔ میں حسب معمول وہیں رات گذاروں گا۔ وہاں سے اسٹیشن پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے۔

بیگم فرمان علی۔ آپ اپنی ہٹ کے پورے ہیں۔ لیکن اب تو میں اور آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آخر اب آپ کے یہاں ٹھہرنے میں کیا حرج ہے؟

بلینڈرز۔ آپ اپنی مذاق کی عادت نہیں چھوڑ سکتیں! اور آج تو آپکے لیئے خوش
ہونا فطری ہے۔ آج آسولڈ بھی یہیں ہے اور پھر کل ایک اہم تقریب ہے!
بیگم فرمان علی۔ ہاں مسٹر بلینڈرز، میں کتنی خوش نصیب ہوں! دو برس ہوئے
جب آسولڈ پچھلی بار یہاں آیا تھا۔ مگر اب کی بار تو وہ جاڑوں بھر میرے ہی
پاس رہنے کو کہتا ہے۔
بلینڈرز۔ یہ اُس کی بڑی سعادتمندی ہے کہ پردیس کی دلچسپیوں کو چھوڑ کر اپنی ماں
کے پاس رہنے کے لئے آیا ہے۔
بیگم فرمان علی۔ یہاں وہ دلچسپیاں نہیں تو نہ ہوں، اُس کی ماں تو ہے۔ سمجھے
آپ، مسٹر بلینڈرز! اُس کے دل میں ابھی تک اپنی ماں کے لئے محبت ہے!
بلینڈرز۔ اگر طویل جدائی اور آرٹ میں انہماک اس فطری محبت میں کمی پیدا کر دیتے
تو بڑی افسوسناک بات ہوتی۔
بیگم فرمان علی۔ ہاں، مگر میرا بیٹا ایسا نہیں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ اسے
پہچانتے بھی ہیں یا نہیں۔ وہ نیچے آنے والا ہی ہے۔ ابھی تو کوٹھے پر آرام کر
رہا ہے۔ مگر، میرے عزیز دوست، آپ بیٹھئے تو۔
بلینڈرز۔ میں آپ کے کسی کام میں مخل تو نہیں ہوا؟
بیگم فرمان علی۔ بالکل نہیں مسٹر بلینڈرز، یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ (ڈیسر کے پاس
کرسی پر بیٹھ جاتی ہے)

پلینڈرز۔ اچھا فی الحال تو میں آپ کو کچھ کاغذات ——— (وہ اس کرسی تک جاتا ہے جس پر اس کا بیگ رکھا ہے اور اس میں سے کاغذوں کا ایک پلندہ نکالتا ہے۔ اور پھر میز پر بیگم فرمان علی کے مقابل بیٹھ جاتا ہے اور کاغذوں کو رکھنے کے لئے میز کا کوئی خالی حصہ دیکھتا ہے) پہلے تو آپ اسے ملاحظہ کیجئے ——— (رک جاتا ہے)

بیگم صاحبہ! یہ کتابیں یہاں کیوں پڑی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ یہ کتابیں ——— میں پڑھتی ہوں۔

پلینڈرز۔ کیا آپ اس قسم کی کتابیں پڑھتی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ جی ہاں۔

پلینڈرز۔ ان کو پڑھ کر کیا آپ کی معلومات میں کچھ اضافہ ہوتا ہے یا محض تفریح کے لئے پڑھی جاتی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ میرا خیال ہے کہ ان کتابوں کے پڑھنے سے خود اعتمادی بڑھتی ہے۔

پلینڈرز۔ بڑی عجیب بات ہے مگر کیسے؟

بیگم فرمان علی۔ یہ میرے بہت سے خیالات کی توضیح اور تائید کرتی ہیں۔ میں اکثر یہ سوچا کرتی ہوں کہ ان کتابوں میں دراصل کوئی نئی بات نہیں لکھی۔ یہ سب کچھ وہی ہے جو ہم سب سوچا کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بہت آدمی یا تو ان باتوں پر توجہ نہیں دیتے یا ان کے وجود کا اعتراف کرتے ہوئے

ہچکچاتے ہیں

بلینڈرز۔ پناہ بخدا! کیا واقعی آپ کا یہ خیال ہے کہ بہت سے آدمی ——
بیگم فرمان علی۔ ہاں! میں تو یہی خیال کرتی ہوں۔
بلینڈرز۔ کم از کم اپنے قصبہ کے باشندوں کے متعلق تو آپ کا یہ خیال نہ ہو گا؟
بیگم فرمان علی۔ تعجب تو یہی ہے کہ ان فرسودہ خیال آدمیوں میں رہتے ہوئے بھی میں یہی خیال کرتی ہوں۔
بلینڈرز۔ ارے! میں واقعی —— ہیں!
بیگم فرمان علی۔ مگر آپ کا خاص اعتراض ان کتابوں کے خلاف کیا ہے؟
بلینڈرز۔ اعتراض! آپ جانتی ہیں کہ میں اس قسم کی واہیات کتابوں میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔
بیگم فرمان علی۔ دراصل آپ جس چیز کو برا کہہ رہے ہیں اس کے متعلق آپ کوئی واقفیت نہیں رکھتے۔
بلینڈرز۔ میں نے ان کتابوں کے متعلق بہت کچھ پڑھا ہے اور اس بنا پر ان کو برا کہتا ہوں۔
بیگم فرمان علی۔ لیکن یہ آپ کی اپنی رائے تو نہ ہوئی ——
بلینڈرز۔ بیگم فرمان علی، زندگی میں بہت سے موقعے ایسے آتے ہیں جب آدمی کو دوسروں کی رائے پر بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔ اس دنیا کا یہی دستور ہے اور یہی ہونا چاہیے، ورنہ سوسائٹی کا کیا حال ہو؟

بیگم فرمان علی۔ ممکن ہے آپ درست کہہ رہے ہوں۔
بلینڈرز۔ میں مانتا ہوں کہ اس قسم کے ادب میں ایک خاص قسم کی دلچسپی ہوتی ہے
میں آپ کو اس بات پر الزام نہیں دیتا کہ آپ اُن ذہنی رجحانات سے واقف
ہونا چاہتی ہیں جو، میں نے سنا ہے کہ اس فضا میں عام ہیں، جس فضا میں آپ
نے اپنے بیٹے کو اتنی مدت رہنے دیا ہے۔ مگر ———
بیگم فرمان علی۔ مگر۔؟
بلینڈرز۔ (دھیمی آواز میں) مگر، بیگم صاحبہ، ان باتوں کا علانیہ تذکرہ نہیں کیا جاتا۔
میں سمجھتا ہوں کہ کسی کو بھی یہ بتانے پر مجبور نہ ہونا چاہیئے کہ وہ کیا پڑھتا ہے اور کیوں
پڑھتا ہے اور تنہائی میں کیا سوچتا ہے۔
بیگم فرمان علی۔ بالکل درست، میرا بھی یہی خیال ہے۔
بلینڈرز۔ اب اس یتیم خانہ ہی کو لیجیئے۔ آپ اس کو بنا کر اپنا فرض پورا کر رہی ہیں گو ان
کتابوں کو یہاں دیکھتے ہوئے میرا خیال ہے کہ آپ کے ذاتی خیالات نہ جانے
کیا ہونگے۔
بیگم فرمان علی۔ ہاں، اس کا مجھے اعتراف ہے۔ مگر ہم تو یتیم خانہ کے متعلق گفتگو
کر رہے تھے!
بلینڈرز۔ اچھا، آئیے اب کام کی بات کریں۔ (ایک لفافہ کھول کر کچھ کاغذات نکالتا ہے)
ان کو دیکھیئے۔

بیگم فرمان علی۔ یہ دستاویزیں ؟

بلینڈرز۔ جی ہاں، یہ سب دستاویزیں ہیں سب کام ٹھیک ہو گیا ہے۔ بڑی دقت سے یہ کام ہوا ہے۔ مجھے حکام پر بہت زور ڈالنا پڑا۔ آپ تو جانتی ہیں، کہ عدالتوں کا کام کیسا ہوتا ہے۔ بہرحال، یہ دستاویزیں بعد تکمیل مجھے مل گئیں۔ (کاغذوں کو الٹ پلٹ کر کے ایک کاغذ نکالتا ہے) یہ "میر پور" کی جائداد اور وہاں کی پبلک عمارتوں ——— یعنی اسکول، ہیڈ ماسٹر کے مکان اور گرجا ——— کے متعلق ہے (دوسرا کاغذ نکالتا ہے) یہ اس اسکول کو انٹرمیڈیٹ کالج بنانے کے واسطے گورنمنٹ کی منظوری ہے (ایک اور کاغذ دکھاتا ہے) اور یہ ہے "وقف نامہ" اس یتیم خانہ کا جو نواب فرمان علی کی یادگار میں قائم کیا جا رہا ہے۔

بیگم فرمان علی۔ (کاغذوں کو دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد) یہ تو ... ٹھیک ہو گیا۔

بلینڈرز۔ میرے خیال میں بجائے "سبحان بہادر" کے جو گورنمنٹ کی طرف سے خطاب ہے اس یادگار پر آپ کے شوہر کا نام کندہ ... صرف "نواب" ہونا چاہئے۔ لوگ بھی انہیں "نواب صاحب" ہی کہتے تھے، اور [illegible] آپ کو نواب ہی کہلوانا زیادہ پسند کرتے تھے۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، ہاں! جو آپ مناسب سمجھیں وہی کیجئے۔

بلینڈرز۔ اور یہ بینک کی کتاب ہے۔ اس میں اصل کا جو سود ہو گا۔ اس سے یتیم خانہ

کے اخراجات پورے کئے جائینگے۔

بیگم فرمان علی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مگر میرے خیال میں بہتر تو یہی ہے کہ آپ ہی ان کاغذات کو اپنے پاس رکھیں۔

بلینڈررز۔ بہت اچھا! میں خوشی سے یہ خدمت انجام دوں گا۔ میرے خیال میں ابھی روپیہ بنک ہی میں رہنے دیا جائے۔ سُود زیادہ نہیں، صرف ۴ فیصدی ہے، لیکن اگر بعد میں اس روپیہ کا کوئی بہتر مصرف نکل آیا اور زیادہ فائدہ کی امید ہوئی تو اسے اُس کام میں لگا دیا جائے گا۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، ہاں، مسٹر بلینڈررز، ان باتوں کو آپ مجھ سے کہیں زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

بلینڈررز۔ بہر حال میں خیال رکھوں گا۔ اور اگر کوئی اچھی جائداد مل گئی تو اُسے یتیم خانہ کے لیے خرید لوں گا۔ مگر اس سلسلہ میں ایک بات رہ گئی جس کے متعلق پہلے بھی کئی دفعہ میں نے آپ سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا مگر نہ کر سکا۔

بیگم فرمان علی۔ وہ کیا بات ہے؟

بلینڈررز۔ یتیم خانہ کی عمارت کا بیمہ کرا لیا جائے یا نہیں؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں ہاں، ضرور۔

بلینڈررز۔ لیکن ذرا ٹھہریئے۔ یہ ذرا غور طلب مسئلہ ہے۔

بیگم فرمان علی۔ میں نے تو اپنی ہر چیز کا بیمہ کرا رکھا ہے۔ اس مکان میں جتنی چیزیں

ہیں اُن سب کا بیمہ ہو چکا ہے۔

بلینڈرز۔ مگر یہ سب تو آپ کی ذاتی ملکیت ہیں! یتیم خانہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ وہ خدا کے نام پر بنایا گیا ہے اور اعلیٰ مقاصد کے لئے وقف ہے۔

بیگم فرمان علی۔ یقیناً، آپ ٹھیک کہتے ہیں ——— مگر . . . . .

بلینڈرز۔ جہاں تک اس معاملہ میں میری ذاتی رائے کا تعلق ہے میں نہایت خلوص اور ایمانداری سے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے خطرات کے خلاف بیمہ کرانے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔

بیگم فرمان علی۔ میں بھی تو آپ کی ہم خیال ہوں!

بلینڈرز۔ لیکن ہمیں دوسروں کی رائے کا بھی تو لحاظ کرنا چاہئے۔

بیگم فرمان علی۔ آپ کا مطلب عام پبلک کی رائے سے ہے؟

بلینڈرز۔ کیا یہاں کی پبلک کی رائے کچھ اثر اور وقعت رکھتی ہے؟ لوگوں کو یتیم خانے کے بیمہ کرانے پر اعتراض تو نہ ہوگا؟

بیگم فرمان علی۔ رائے عامہ کے کچھ اثر رکھنے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

بلینڈرز۔ میرے دھیان میں وہ با اثر اور ذی اقتدار لوگ ہیں جن کی رائے کو باوقعت سمجھنے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

بیگم فرمان علی۔ اِس قسم کے لوگ یہاں ہیں تو، مگر بہت کم ہیں۔ وہی شاید کچھ

اعتراض کریں ……
بلینڈررز۔ یہ بھی تو مشکل ہے۔ آپ سمجھیں شہر میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو یہ کہنے میں کچھ باک نہ ہوگا کہ آپ اور میں خدانخواستہ اس پر یقین نہیں رکھتے کہ خدا خود اُن عمارتوں کی حفاظت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں بنائی جاتی ہیں۔

بیگم فرمان علی۔ مگر آپ تو ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ خدا ……

بلینڈررز۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ مجھے اس بارہ میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ لیکن ہم کو یہ احتیاط بھی تو کرنی چاہیئے کہ دوسرے لوگ ہمارے افعال کا غلط مطلب نہ سمجھیں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو یتیم خانہ کے کام میں خلل پڑ جائے گا۔

بیگم فرمان علی۔ اونہہ! اتنی سی بات کا یہ اثر ہوگا ……

بلینڈررز۔ بیگم صاحب! میں اپنی نازک پوزیشن کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ شہر کے باوقار اور معزز حلقوں میں اس یتیم خانہ سے کافی دلچسپی لی جا رہی ہے کیونکہ دراصل اس یتیم خانہ سے کچھ فائدہ شہر والوں کو بھی تو پہنچے ہی گا۔ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس یتیم خانہ کے بن جانے سے اس ٹیکس میں کچھ کمی ہو جائے گی جو غریبوں اور ناداروں کی مدد کے لئے اُن کو دینا پڑتا ہے۔ اور چونکہ اس کارِ خیر میں میں آپ کا مشیر رہا ہوں بلکہ اس کی تعمیر کا کل انتظام آپ کی طرف سے میرے ہی ہاتھ میں ہے اس لئے مجھے

خدشہ ہے کہ حاسد لوگ سب سے پہلے مجھ ہی پر حملہ کریں گے۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، یہ تو سچ ہے۔ آپ کو ایسے حملوں سے بچنا چاہیئے۔

بلینڈرز۔ اور مقامی اخبار تو میرے خلاف زہر اُگلنے میں کالم کے کالم سیاہ کر ڈالیں گے۔

بیگم فرمان علی۔ اس فکر میں نہ پڑیئے۔ بلکہ اس ذکر ہی کو چھوڑئیے۔

بلینڈرز۔ تو آپ نہیں چاہتیں کہ یتیم خانہ کی عمارت کا بیمہ کرایا جائے؟

بیگم فرمان علی۔ نہیں نہیں اس ارادہ کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔

بلینڈرز۔ (کرسی کی پشت سے تکیہ لگاتے ہوئے) لیکن ذرا یہ تو سوچئے کہ اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آیا —— کچھ خبر نہیں کہ کس وقت کیا ہو جائے؟ —— تو کیا اس صورت میں آپ نقصان کی تلافی کرنے پر تیار ہونگی؟

بیگم فرمان علی۔ نہیں۔ میں آپ سے صاف صاف کہتی ہوں کہ میں اب مزید روپیہ نہ دے سکوں گی۔

بلینڈرز۔ پھر بھی، بیگم صاحبہ آپ یہ تو جانتی ہی ہیں، کہ ہم نے ایک زبردست ذمّہ داری اپنے سر لی ہے!

بیگم فرمان علی۔ اِس کے علاوہ ہم اور کر ہی کیا سکتے تھے؟

بلینڈرز۔ یقیناً ہم اور کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر ہم کو کسی غلط رائے کا شکار نہ بننا چاہیئے اور کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہیئے جس سے لوگوں میں بے اطمینانی

اور بے چینی پھیلے۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں ہاں، ایک پادری کی حیثیت سے تو آپ کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

بلینڈرز۔ مجھے خدا پہ بھروسہ ہے کہ وہ خود اس عمارت کی حفاظت کرے گا۔

بیگم فرمان علی۔ امید تو یہی ہے۔

بلینڈرز۔ تو پھر بیمہ کا خیال ترک کر دینا چاہیئے؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں۔

بلینڈرز۔ بہت اچھا، جیسی آپ کی مرضی؛ (پنسل سے نوٹ کرتا ہے) تو عمارت کا بیمہ نہیں کرایا جائے گا۔

بیگم فرمان علی۔ عجیب اتفاق ہے کہ آج ہی آپ کو اس تذکرہ کی سوجھی!

بلینڈرز۔ میں نے آپ سے اس بارہ میں استفسار کرنے کا بارہا ارادہ کیا.......

بیگم فرمان علی۔ کل ہی یتیم خانہ میں آگ لگتے لگتے رہ گئی۔

بلینڈرز۔ (چونک کر) ہیں! یہ کیسے؟ کیا ہوا تھا؟

بیگم فرمان علی۔ کچھ ایسے نہیں۔ کچھ نقصان نہیں ہوا۔ جہاں بڑھئی کام کرتا ہے وہاں لکڑی کی چھیلن میں آگ لگ گئی تھی۔

بلینڈرز۔ جہاں داس کام کرتا ہے؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں، لوگ کہتے ہیں کہ وہ اکثر بیڑی کے جلتے ہوئے ٹکڑے

بے پروائی سے ادہر ادہر پھینک دیا کرتا ہے۔

فلینڈرز۔ اُس بیچارہ کو اپنی پریشانیاں ہیں! خدا کا شکر ہے کہ اب وہ نئے داغ زندگی بسر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

بیگم فرمان علی۔ آپ کو کس نے یہ خبر دی؟

فلینڈرز۔ اُس نے خود مجھے یقین دلایا ہے۔ وہ اچھا کاریگر ہے۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں! جب وہ نشہ میں نہیں ہوتا تو اچھا کام کرتا ہے۔

فلینڈرز۔ اُس کی اس عادت پر رحم آتا ہے لیکن جب اُس کی ٹانگ کی تکلیف بڑھ جاتی ہے تو وہ تھوڑی سی پی لیتا ہے۔ مجھ سے تو وہ یہی کہتا تھا۔ جب وہ آخری بار مجھ سے ملا تو اُس کی باتوں کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ اُس نے میرے مکان پر آ کر میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ کہ میں نے اسے یہاں کام پر لگا دیا جہاں وہ ریجینا کے قریب بھی رہ سکتا ہے۔

بیگم فرمان علی۔ وہ ریجینا سے زیادہ تو نہیں ملتا!

فلینڈرز۔ لیکن مجھ سے تو وہ کہتا تھا کہ ہر روز وہ اُس سے ملتا ہے۔

بیگم فرمان علی۔ ممکن ہے ملتا ہو۔ میں ریجینا کے پیچھے پیچھے تو پھرتی نہیں؟

فلینڈرز۔ اُسے اِس بات کا شدید احساس ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ کوئی ایسا شخص اُس کا نگران ہو جو اُسے اُس کی بُری عادتیں چھڑانے میں مدد دے سکے۔ دا اُس میں یہی تو خوبی ہے۔ وہ ایک بے بس بچّہ کی طرح آپ کے پاس

آ کر اپنی کمزوریوں کا اعتراف کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو ملزم گردانتا ہے۔
جب وہ آخری مرتبہ مجھ سے ملا تو ——— بیگم صاحبہ!
اگر ریجینا اس کے پاس جا کر رہے تو آپ کو کچھ اعتراض تو نہ ہوگا؟ ———

بیگم فرمان علی۔ (اچانک کھڑی ہو جاتی ہے) ریجینا!

بلینڈرز۔ آپ کو بے چارے واس اور اس کی بیٹی کے درمیان حائل نہ ہونا چاہیئے۔

بیگم فرمان علی۔ میں نے جان بوجھ کر ریجینا کو اس کے باپ سے علیحدہ رکھا ہے اور اب تو ریجینا کو یتیم خانہ میں ایک ملازمت دی جانے والی ہے۔

بلینڈرز۔ مگر ذرا یہ تو سوچئے کہ واس اس کا باپ ہے اور اب بے چارہ دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے ———

بیگم فرمان علی۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ریجینا کے لئے کس قسم کا باپ ثابت ہوگا۔ نہیں، نہیں، وہ میری اجازت سے کبھی اس کے ساتھ جا کر نہیں رہ سکے گی

بلینڈرز۔ میری عزیزہ خاتون، اتنی جلدی لوگوں کے بارہ میں اپنی رائے قائم نہ کر لیا کیجیئے۔ افسوس کی بات ہے کہ واس کو آپ اتنا بُرا سمجھتی ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ آپ کو یہ ڈر ہے کہ کہیں ....

بیگم فرمان علی۔ (سکون کے لہجہ میں) یہ بات نہیں۔ میں نے ریجینا کی خبر گیری اپنے ذمہ لے لی ہے۔ میں اس کی تعلیم و تربیت کی کفیل ہوں اور وہ آخر تک میرے ہی پاس رہے گی۔ (کچھ آہٹ سننے لگتی ہے) خاموش! مسٹر بلینڈرز! اب

اِس ذکر کو جانے دیجئے۔ آسولڈ نیچے آرہا ہے۔ اب ہمیں اُس کا خیال کرنا چاہئے۔

(آسولڈ ایک ہلکا اوورکوٹ پہنے، ہاتھ میں ہیٹ لیئے، ایک بڑا سا پائپ پیتا ہوا بائیں دروازہ سے اندر داخل ہوتا ہے)

آسولڈ۔ (دروازہ میں کھڑے ہوکر) معاف کیجئے، امّاں، میرا خیال تھا کہ آپ دفتر میں ہونگی (اندر آکر) گڈ مارننگ، مسٹر ملینڈرز۔

ملینڈرز۔ (آسولڈ کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے) کتنی عجیب مشابہت ہے!

بیگم فرمان علی۔ مسٹر ملینڈرز، دیکھئے یہی ہے میرا آسولڈ!

ملینڈرز۔ ہاں ...... میں ...... نہیں ...... یہ ممکن نہیں۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، مسٹر ملینڈرز، یہی میرا مدّت کا بچھڑا ہوا بیٹا ہے۔

ملینڈرز۔ (آسولڈ سے مخاطب ہوکر) میرے نوجوان دوست!

آسولڈ۔ مسٹر ملینڈرز، ایک آوارہ گرد اپنے گھر لوٹ آیا ہے!

بیگم فرمان علی۔ آسولڈ کو وہ زمانہ یاد آرہا ہے جب آپ نے اُس کے نقّاش بننے کی سخت مخالفت کی تھی!

ملینڈرز۔ ہم سب انسان ضعیف البیان ہیں۔ انسانی رائے غلطی کر سکتی ہے۔ بہت سی باتیں ہمیں اوّل اوّل خطرناک معلوم ہوتی ہیں جو آخر میں ——
(آسولڈ کا ہاتھ تھامتے ہوئے) خوش آمدید! خوش آمدید! ......

آسولڈ ـــــــ پیارے آسولڈ، مجھے یقین نہیں آتا۔ کیا میں تمہیں اب بھی آسولڈ کہہ سکتا ہوں؟

آسولڈ۔ تو اور کس نام سے آپ مجھے یاد کرینگے۔

بلینڈرز۔ شکریہ، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے آرٹسٹ کی زندگی سے کوئی نفرت نہیں۔ میں اسے بُرا نہیں سمجھتا۔ مجھے یقین ہے کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو آرٹسٹ ہونے کے باوجود بھی اپنے باطن اور اپنی روح کو کوئی صدمہ پہنچنے نہیں دیتے۔ اور ہر آلودگی سے بچتے ہیں۔

آسولڈ۔ جی ہاں، ایسے لوگ موجود ہیں۔

بیگم فرمان علی۔ (خوشی سے سرخ ہوتے ہوئے) میں ایک ایسے شخص کو جانتی ہوں جس نے اپنا ظاہر اور باطن دونوں پاک رکھے ہیں مسٹر بلینڈرز، ذرا آسولڈ کی طرف دیکھیئے۔

آسولڈ۔ (کمرہ میں ایک طرف سے دوسری طرف جاتا ہے) ہاں، پیاری اماں آپ ٹھیک کہتی ہیں یہی اصل حقیقت ہے۔

بلینڈرز۔ بے شک، بے شک۔ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا . . . .

اور آسولڈ، میں نے سنا ہے کہ بہ حیثیت آرٹسٹ کے بھی تم نے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ میں نے اخباروں میں اکثر تمہارا ذکر تعریف کے ساتھ پڑھا ہے گو ادھر کچھ عرصے سے تمہارا نام پڑھنے میں نہیں آیا۔

آسولڈ (عقبی کمرہ کی طرف جاتے ہوئے) میں نے کچھ مدت سے کوئی تصویر نہیں بنائی۔

بیگم فرمان علی۔ دوسرے انسانوں کی طرح ایک آرٹسٹ کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہینڈرز۔ یقیناً، یقیناً! آرام کرکے تازہ دم ہونے کے بعد آرٹسٹ زیادہ اچھا کام کرسکتا ہے۔

آسولڈ۔ ہاں یہ تو ہے۔ (بیگم فرمان علی کی طرف مخاطب ہوکر) اماں، کھانے میں کتنی دیر ہے؟

بیگم فرمان علی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ (ہینڈرز سے مخاطب ہوکر) خدا کا شکر ہے کہ آسولڈ کی تندرستی اچھی ہے اور اس کا ہاضمہ ٹھیک ہے۔

ہینڈرز۔ اور وہ تمباکو کا بھی شوقین ہے!

آسولڈ۔ میں نے کوٹھے پر کمرے میں ابا کا پائپ دیکھا...... اور......

ہینڈرز۔ اوہ، تو یہ وجہ تھی!

بیگم فرمان علی۔ کیا؟

ہینڈرز۔ جب آسولڈ منہ میں پائپ لگائے دروازہ میں کھڑا تھا تو ایک لمحہ کے لئے مجھے ایسا معلوم ہوا گویا نواب صاحب مرحوم کھڑے ہیں۔

آسولڈ۔ واقعی؟

بیگم فرمان علی۔ آپ کیسے یہ کہتے ہیں؟ آسولڈ مجھ پر پڑا ہے (مجھ سے مشابہ ہے)

بلینڈرز۔ اُس کے ہونٹوں کی ساخت کی وجہ سے ایک جھلک اُس کے چہرہ پر ایسی آجاتی ہے ــــــــــــ آپ سے دیکھ کر مجھے بے ساختہ نواب صاحب مرحوم یاد آگئے خصوصاً جب وہ پائپ پی رہا تھا!

بیگم فرمان علی۔ میں آپ سے اتفاق نہیں کرتی۔ میرے خیال میں تو اُس کا مُنہ پادریوں کے منہ جیسا ہے۔

بلینڈرز۔ ہاں، میں نے گرجا میں اپنے اکثر ساتھیوں کے چہرہ پر بھی ایسی ہی جھلک دیکھی ہے۔

بیگم فرمان علی۔ (آسولڈ کی طرف متوجہ ہوکر) میرے پیارے بچّے، اب پائپ کو منہ سے نکال لو۔ میں یہاں کسی کا تمباکو پینا پسند نہیں کرتی۔

آسولڈ (پائپ منہ سے نکال کر علیحدہ رکھ دیتا ہے) بہت اچھا، اماں، میں تو اسے یوں ہی دیکھ رہا تھا کہ کیسا لگتا ہے، کیونکہ ایک مرتبہ جب میں بہت چھوٹا تھا تو اُس وقت بھی میں نے اِسے پیا تھا۔

بیگم فرمان علی۔ تم نے اِسے پیا تھا؟

آسولڈ۔ ہاں، مجھے یاد ہے کہ ایک دن شام کو جب ابّا بہت خوش نظر آتے تھے اور غصّہ میں نہ تھے تو میں اُن کے کمرہ میں گیا تھا۔

بیگم فرمان علی۔ تمہیں اُس زمانہ کی باتیں یاد نہیں رہ سکتیں!

آسولڈ۔ واہ، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے مجھے اپنی گود میں بٹھا لیا تھا۔

اور مجھے اپنا سگار دے کر کہا تھا "بیٹا، بیٹے، خوب پیو"! اور میں نے خوب زور سے کش لگایا تھا۔ یہاں تک کہ میری رنگت پیلی پڑ گئی تھی اور میرے ماتھے پر پسینہ کے قطرے جمع ہو گئے تھے۔ تب وہ ہنستے تھے، خوب زور سے ہنستے تھے۔

بیگم فرمان علی۔ (گھبرا کر مینڈرز کی طرف دیکھتی ہے) اوہ، مسٹر مینڈرز! آسولڈ نے یہ سب خواب میں دیکھا ہوگا۔

آسولڈ۔ نہیں، اماں، وہ خواب نہ تھا ——— کیونکہ تمہیں یاد نہیں کہ اس کے بعد تم کمرہ میں آئی تھیں اور مجھے اٹھا کر دوسرے کمرہ میں لے گئی تھیں جہاں میں کئی دن تک طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے لیٹا رہا تھا۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تم رو رہی تھیں۔ کیا ابا کبھی ایسا مذاق کرتے تھے؟

مینڈرز (گلا صاف کرتے ہوئے) جوانی میں وہ کافی با مذاق آدمی تھے ———

آسولڈ۔ اور اس کے باوجود انہوں نے اپنی تھوڑی سی زندگی میں کتنے اچھے کام کیے!!

مینڈرز۔ ہاں، میرے پیارے آسولڈ، تم اس شخص کے بیٹے ہو جو بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ ہمیں تم سے بھی بڑی امیدیں ہیں ———

آسولڈ۔ ہاں، ضرور ہونی چاہئیں۔

مینڈرز۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ اس موقع پر گھر واپس آگئے جب تمہارے والد

مرحوم کی یادگار قائم کی جا رہی ہے۔

آسولڈ۔ اب کیا میں اپنے والد کے لئے اتنا بھی نہ کرتا!

بیگم فرمان علی (رینڈرز کی طرف دیکھتے ہوئے) آسولڈ کتنا اچھا بیٹا ہے۔ اس نے کافی عرصہ تک میرے پاس رہنے کا وعدہ کیا ہے۔

رینڈرز (آسولڈ سے مخاطب ہو کر) ہاں، آسولڈ، میں نے سنا ہے کہ تم جاڑوں بھر گھر ہی رہو گے۔

آسولڈ۔ مسٹر مانیڈرز، میں یہاں کافی مدت تک رہوں گا۔ گھر واپس آنا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے!

بیگم فرمان علی۔ (خوشی سے پھولے نہ سما کر) ہاں، کیوں نہیں؟

رینڈرز۔ (آسولڈ کی طرف ہمدردانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے) پیارے آسولڈ، جب تمہیں دنیا میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے بھیج دیا گیا تھا تو تم بہت کم سن تھے۔

آسولڈ۔ ہاں، کبھی کبھی تو میں خود بھی یہ سوچ کر تعجب کیا کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں میں کتنا چھوٹا تھا!

بیگم فرمان علی۔ مگر یہ بہت اچھا ہوا۔ ایک ہونہار اکلوتے بیٹے کے لئے یہ بہت ضروری تھا۔ اپنے والدین کے پاس رہنے میں اُن کے بے جا لاڈ پیار سے بگڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے!

بلینڈرز۔ یہ تو بہت بحث طلب سوال ہے۔ میرے خیال میں تو بچہ کے رہنے کے لئے
سب سے مناسب اور موزوں جگہ اُس کا اپنا گھر ہے۔

آسولڈ۔ میں بھی اس معاملہ میں مسٹر بلینڈرز سے اتفاق کرتا ہوں۔

بلینڈرز۔ (بیگم قربان علی سے مخاطب ہوکر) اب بیگم صاحب، آپ اپنے صاحبزادہ
ہی کو دیکھئے ——— ہاں، آسولڈ کے سامنے اِن باتوں کے
کہنے میں کوئی حرج نہیں ——— ان پہ والدین کی جدائی کا کیا اثر پڑا؟
ان کی عمر چھبیس یا ستائیس سال کی ہو گئی۔ مگر ابھی تک انہیں اس کا کوئی موقع
نہیں ملا کہ یہ معلوم کر سکیں کہ گھر بار کی اہمیّت نظامِ معاشرت میں کیا ہے۔

آسولڈ۔ معاف کیجئے، مسٹر بلینڈرز، آپ اس معاملہ میں غلطی کر رہے ہیں۔

بلینڈرز۔ ممکن ہے میں غلطی کر رہا ہوں۔ مگر میرا تو خیال تھا کہ اب تک تمہاری جتنی
زندگی گھر سے باہر گذری ہے وہ بس "فنی حلقوں" ہی میں گذری ہے۔

آسولڈ۔ ہاں، یہ تو سچ ہے۔

بلینڈرز۔ اور زیادہ تر موجودہ زمانے کے نئے فن کاروں کے ساتھ!

آسولڈ۔ جی ہاں، یہ بھی سچ ہے۔

بلینڈرز۔ مگر میرا تو خیال تھا کہ ان نئے فن کاروں کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہوتا کہ وہ
کوئی ذمہ داری اپنے سر لے سکیں اور گھر ملو زندگی بسر کر سکیں!

آسولڈ۔ ہاں، اُن میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کے پاس باقاعدہ رسم و رواج

کے مطابق شادی کر کے زندگی بسر کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہوتا۔

ملینڈرز۔ یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔

آسولڈ۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنا گھر بسا سکتے ہیں۔ ان میں سے بہتوں نے اپنے گھر بسائے ہیں اور گھریلو زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور اُن کے مکان نہایت آرام دہ خوش سلیقگی اور خوش انتظامی کا نمونہ ہیں۔

(بیگم فرمان علی جو آسولڈ کی باتوں کو بڑے غور سے سُن رہی ہے، اثبات میں سر ہلاتی ہے مگر کچھ کہتی نہیں)

ملینڈرز۔ اوہ، مگر میں ان نئے فن کاروں کی پرائیویٹ جنسی زندگی اور ان کے ناجائز تعلقات کا ذکر نہیں کر رہا ہوں ——— میری مراد گھریلو ازدواجی زندگی سے تھی ——— وہ زندگی جو ایک مرد اپنی بیوی اور اپنے بچوں کے ساتھ بسر کرتا ہے!

آسولڈ۔ ہاں، یا یوں کہئے کہ جو زندگی ایک مرد اپنے بچوں اور اُن بچوں کی ماں کے ساتھ بسر کرتا ہے!

ملینڈرز۔ (چونک پڑتا ہے اور آسولڈ کا ہاتھ تھام لیتا ہے) او میرے خدا!

آسولڈ۔ کیوں؟ کیوں؟ کیا بات ہوئی؟

ملینڈرز۔ اپنے بچوں کی ماں کے ساتھ ——— زندگی بسر کرتا ہے!

آسولڈ۔ کیا آپ یہ چاہیں گے کہ ایک شریف مرد اُس عورت کا ساتھ چھوڑ دے

جو اُس کے بچوں کی ماں ہے، اور اُس بے چاری کو دربدر ٹھوکریں کھلوائے؟

بلینڈرز۔ تم اُن بے اصولی حالتوں کا ذکر کر رہے ہو جنہیں "بے قاعدہ اور ناجائز ازدواجی تجربے" کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔

آسولڈ۔ میں نے تو اُن لوگوں کی زندگی میں کوئی خاص بات ایسی نہیں دیکھی جسے بے قاعدہ یا ناجائز کہا جا سکے۔

بلینڈرز۔ تو کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ایک جوان مرد اور جوان عورت کے لئے یہ بات روا ہے کہ وہ اس طریقِ زندگی کو علانیہ طور پر اختیار کریں؟

آسولڈ۔ اس کے علاوہ اور وہ کر ہی کیا سکتے ہیں ——— ایک غریب آرٹسٹ اور ایک غریب لڑکی؛ دُنیا کے رسم و رواج کے مطابق شادی کرنے میں خرچ کے علاوہ اور بہت سے کھیڑے ہوتے ہیں۔ آخر وہ بے چارے اور کیا کریں؟

بلینڈرز۔ وہ کیا کریں؟ (بیگم فرمان علی سے مخاطب ہو کر) بیگم صاحبہ، میں بتاؤں وہ کیا کریں؟ اُن کو چاہئے کہ وہ شروع ہی سے ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں۔

آسولڈ۔ مگر گرم خون رکھنے والے نوجوان مردوں اور عورتوں پہ (جو ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا بھی ہوں) یہ نصیحت کچھ زیادہ کارگر نہ ہو گی!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، یہ نصیحت اُن پر اثر نہیں کر سکتی۔

بلینڈرز (اپنی بات کی پیچ کرتے ہوئے) اور حکومت ان باتوں کی اجازت دے دیتی!

ہے اس بات کو گوارا کرتی ہے کہ مرد و عورت ایسے جنسی تعلقات کھلم کھلا
قائم رکھیں! (بیگم فرمان علی کی طرف رُخ کرتے ہوئے) تو کیا آپ کے صاحب زادہ
کے لئے متفکر ہونا میری کم عقلی کی دلیل تھی ؟ کیا آسولڈ کو ایسے حلقوں میں بھیجنا
مناسب تھا جہاں کھلے بندوں جنسی گناہ کا دور دورہ ہے ؟ جہاں گناہ
کو اچھالا جاتا ہے اور اُس کو جائز اور ضروری قرار دیا جاتا ہے!

آسولڈ۔ مسٹر مینڈرز، میں آپ کو ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں۔ ان ہی "بے قاعدہ"
گھروں میں سے ایک یا دو میں ہر اتوار کو میں بلا ناغہ مہمان رہا کرتا تھا!

مینڈرز۔ اتوار کو بھی ؟

آسولڈ۔ ہاں، وہی چھٹی اور فرصت کا دن ہوتا ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ
ان گھروں میں کبھی کوئی معیوب، اخلاق سوز بات میرے کانوں میں نہیں
پڑی اور نہ کوئی ایسی چیز دکھائی پڑی جسے گناہ سے تعبیر کیا جاسکے۔ بالکل
نہیں۔ لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ فن کاروں کے حلقے میں کب اور کس جگہ
میں نے اخلاق سوز باتیں دیکھیں۔

مینڈرز۔ نہیں۔ خدا کا شکر ہے، مجھے ان اخلاق سوز باتوں کا علم نہیں۔

آسولڈ۔ تو مجھے آپ کو یہ بتانے کا فخر حاصل ہے کہ فن کاروں کے حلقے میں حیا سوز
باتیں مجھے اس وقت نظر آئیں جب آپ کی سوسائٹی کا کوئی مثالی شوہر یا باپ
وہاں سیر و تفریح کو از خود چلا آیا اور فن کاروں کو اپنے قدوم شرافت لزوم

سے عزت بخشی۔ اُس وقت ہم لوگوں کو یہ معلوم کرنے کا موقع ملا کہ اخلاق سوز اور پُر گناہ باتیں کیا ہوتی ہیں۔ یہ بزرگ ہم کو کچھ ایسی باتوں اور جگہوں کے متعلق واقفیت بہم پہنچاتے تھے جو کبھی ہمارے خواب میں بھی نہ آتی تھیں!

بلینڈررز۔ کیا تم مجھے اس بات کا یقین دلانا چاہتے ہو کہ شریف آدمی اپنے گھر اور شہر سے باہر جا کر ـــــــ

آسولڈ۔ کیا آپ نے اِن لوگوں کو اپنے وطن واپس آکر کبھی یہ کہتے نہیں سُنا۔ "بھائی جیسا بھی ہے، اپنا وطن ہی سب سے اچھا ہے۔ باہر نکل کر تو ہر طرف شراب، جوا، اور بدکاری نظر آتی ہے"!

بلینڈررز۔ ہاں ضرور کہتے سُنا ہے، مگر ـــــــ

بیگم فرمان علی۔ میں نے بھی اُن کو ایسی باتیں کرتے سنا ہے۔

آسولڈ۔ آپ بلا توقف اُن کی ان باتوں کا یقین کر سکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ان چیزوں اور گناہ اور بدکاری کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے بالکل ماہر ہو کر لوٹتے ہیں۔ (دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دباتے ہوئے) اُف! یہ خیال کتنا تکلیف دہ ہے کہ فن کاروں کے اس مرکز کی خوبصورت اور آزاد زندگی اِن بیرونی اثرات سے کتنی ناپاک ہو جاتی ہے!

بیگم فرمان علی۔ آسولڈ، اتنے زیادہ پریشان ہو جاؤ۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

آسولڈ۔ ہاں، اماں، آپ ٹھیک کہتی ہیں، پریشان ہونا میرے لئے نقصان دہ

ہے، کیونکہ میں بہت زیادہ تھکا ہوا اور کمزور ہوں۔ کھانے سے پہلے میں ذرا
چہل قدمی کر آؤں مسٹر بلینڈرز، میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ
کے لئے میرے محسوسات کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ لیکن میں کچھ ایسا ہی
ہوں (دواہنے دروازہ سے باہر نکل جاتا ہے)

بیگم فرمان علی۔ بےچارہ لڑکا!

بلینڈرز۔ بیشک، آپ کے لئے اسے بےچارہ کہنا بجا ہے۔ دیکھا آپ نے، یہ نتیجہ
ہے اسے کلکتی میں اتنی دور بھیجنے کا! (بیگم فرمان علی اس کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔
مگر بولتی نہیں) اس نے اپنے آپ کو "آوارہ گرد" کہا تھا افسوس یہ بات کتنی
سچی ثابت ہوئی! (بیگم فرمان علی ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھتی رہتی ہے) اب آپ
اس بارہ میں کیا کہتی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ میں کہتی ہوں کہ اس لڑکے نے جو کچھ کہا ہے لفظ بلفظ صحیح ہے۔

بلینڈرز۔ (چونک کر) صحیح ہے؟ ایسے اصول کا پابند ہونا جن کا وہ ذکر کرتا تھا؟

بیگم فرمان علی۔ مسٹر بلینڈرز، اپنی تنہائی میں سوچ سوچ کر میں بھی ان ہی نتیجوں پر
پہنچی ہوں، گو میں نے کبھی ان مباحث پر گفتگو کرنے کی جرأت نہیں کی۔ مگر
اب مجھے بولنے کی کوئی ضرورت نہیں میرا بیٹا میرے خیالات کی اشاعت کریگا۔

بلینڈرز۔ بیگم صاحبہ، آپ بہت زیادہ ہمدردی کی مستحق ہیں۔ آپ کی حالت قابل
رحم ہے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ سے کچھ عرض کر دوں۔ آپ بھول

چاہیے کہ اس وقت آپ کا زندہ یا مشیر کار یا آپ کا اور آپ کے مرحوم شوہر کا پرانا دوست آپ سے ہمکلام ہے۔ اس وقت آپ کا پادری آپ کے سامنے کھڑا ہے، بالکل اسی طرح جیسے وہ ایک بار پہلے بھی (جب آپ کی زندگی میں ایک نازک وقت آپڑا تھا) آپ کے سامنے کھڑا ہو چکا ہے۔

بیگم فرمان علی۔ اور میرا پادری مجھ سے کیا کہنا چاہتا ہے؟

بلینڈرز۔ سب سے پہلے میں آپ کی یاد تازہ کرانی چاہتا ہوں۔ اس کے لئے یہی مناسب موقع ہے کیونکہ کل آپ کے شوہر کی وفات کی یادگار میں دسویں برسی منائی جانے والی ہے، کل ہی اُن کے نام پر جو یتیم خانہ بنایا گیا ہے۔ اُس کی افتتاح کی رسم ادا کی جائے گی۔ کل میں آپ کے شوہر کی زندگی کے بارہ میں لوگوں کے سامنے تقریر کروں گا، لیکن آج، آج تو مجھے صرف آپ سے کچھ کہنا ہے!

بیگم فرمان علی۔ بہت اچھا، مسٹر بلینڈرز، فرمائیے۔

بلینڈرز۔ کیا آپ بھول گئیں کہ شادی کے ایک ہی سال بعد آپ ایک خطرناک چٹان کے کنارے آکھڑی ہوئی تھیں، آپ نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا تھا آپ اپنے شوہر کو چھوڑ کر بھاگ آئی تھیں ——————— ہاں، بیگم صاحب! آپ بھاگ آئی تھیں اور باوجود میری منت سماجت کے اُن کے پاس واپس جانے کو تیار نہ تھیں؟

بیگم فرمان علی۔ اور کیا آپ بھول گئے کہ شادی کے اُس پہلے سال میں مجھے کتنے

ناقابلِ بیان دُکھ اور صدمے پہنچے تھے۔

بلیٹ رز۔ دنیا میں خوشی اور مسرّت کی آرزو کرنا ہی بغاوت کے مرادف ہے ہمیں مسرت حاصل کرنے کا کیا حق ہے ؟ نہیں بیگم صاحب ہمیں تو صرف اپنا فرض پورا کرنا چاہیئے۔ اور آپ کا فرض یہی تھا کہ اس شخص کا ساتھ نہ چھوڑیں جس کا آپ نے خود انتخاب کیا تھا۔ اور جس کے ساتھ آپ ایک مقدس رشتہ میں منسلک تھیں !

بیگم فرمان علی۔ آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ اس وقت میرے شوہر کس قسم کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کن کن زیادتیوں کے مرتکب ہو رہے تھے !

بلیٹ رز۔ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ ان کے بارہ میں کیا کیا افواہیں مشہور تھیں، اور اگر وہ افواہیں سچ تھیں تو میں آخری انسان ہوں جو اُن کے طرزِ عمل کو سراہوں۔ لیکن بیوی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے شوہر کے افعال کا جائزہ لے اور اُن پر نکتہ چینی کرے۔ آپ کا فرض تھا کہ خاموشی اور صبر و رضا کے ساتھ اس مصیبت کو اٹھائے رکھتیں جو حکم قضا سے آپ کو دی گئی تھی لیکن، اس کے برعکس، آپ نے بغاوت کر کے اس صلیب کو پھینک دیا اور اس شخص کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی آپ کو راہنمائی کرنی چاہیئے تھی۔ آپ نے وہ حرکت کی۔ جس سے لازمی طور پر آپ کی عزت اور آپ کے نام پر حرف آتا اور آپ نے تو غضب ہی کر دیا تھا۔ آپ نے تو دوسروں کی عزت کو بھی خطرہ میں ڈال

دیا تھا!

بیگم فرمان علی۔ دوسروں کی عزت، شاید آپ کا یہ مطلب ہے کہ میں نے ایک دوسرے مرد کی عزت کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔

مینڈرز۔ یہ آپ کی انتہائی ناعاقبت اندیشی تھی۔ کہ آپ میرے پاس پناہ لینے آئی تھیں۔

بیگم فرمان علی۔ اپنے پادری کے پاس؟ اپنے بہترین دوست کے پاس؟ اس میں کیا ناعاقبت اندیشی تھی؟

مینڈرز۔ مگر آپ کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ آپ کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ مجھ میں کافی قوتِ ارادی تھی ——— کہ میں آپ کو آپ کے قابلِ نفریں طرزِ عمل سے باز رکھ سکا! اور آپ کو فرض اور آپ کے قانونی شوہر تک واپس لے گیا۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں مسٹر مینڈرز، یہ آپ ہی کا کام تھا!

مینڈرز۔ بیگم صاحب، میں تو محض خدا کی مشیت پورا کرنے کا ایک حقیر ذریعہ تھا! مگر کیا یہ واقعہ نہیں کہ میرے اس طرح آپ کو فرض شناسی کے راستہ پر واپس لے آنے سے آپ کی آئندہ زندگی پر رحمتیں ہی رحمتیں نازل ہوئیں؟ کیا وہی نہ ہوا جو میں نے آپ سے کہا تھا؟ کیا آپ کے شوہر نے اپنی بُری عادتیں نہیں چھوڑ دی تھیں؟ کیا انہوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی آپ سے

محبت کرنے اور پاک صاف زندگی بسر کرنے میں نہیں گذاری؟ کیا وہ اپنے ہمسایوں کے لیے فرشتۂ رحمت نہ بن گئے؟ کیا انہوں نے آپ کو بھی اپنی ہی سطح تک بلند نہ کر لیا۔ یہاں تک کہ بتدریج آپ اُن کے ہر کام میں ان کی شریک، اور ہر نیک کام میں شریک ہی نہیں بلکہ شریکِ غالب بن گئیں؟ بیگم صاحب! آپ کی اتنی تعریف تو مجھے آپ کے منہ پر بھی کرنی ہی پڑے گی! لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی زندگی کی دوسری لغزش کر رہی ہیں!

بیگم فرمان علی۔ آپ کا مطلب؟

پلینڈرز۔ جس طرح آپ ایک مرتبہ اپنے بیوی ہونے کے فرض کو چھوڑ بیٹھی تھیں اسی طرح اس کے بعد آپ اپنے ماں ہونے کے فرائض کو چھوڑ بیٹھیں۔

بیگم فرمان علی۔ اوہ!

پلینڈرز۔ آپ اپنی عمر بھر ایک خطرناک خودرائی کی اسپرٹ سے مغلوب رہی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ ہمیشہ بغاوت پر مائل رہی ہیں۔ آپ کبھی کسی دباؤ کے ماننے کے لیے تیار نہ تھیں۔ آپ کو اپنی زندگی میں جو چیز بھی خلافِ مرضی معلوم ہوئی اُسے آپ نے بلا سوچے سمجھے نکال پھینکا، گویا وہ کوئی ایسا بوجھ تھا کہ جس سے آپ اپنے آپ کو جب چاہتیں آزاد کر لیتیں! آپ کو بیوی بن کر رہنا اچھا نہ معلوم ہوا تو آپ نے اپنے شوہر کو چھوڑ دیا۔ آپ کو ماں کے فرائض پریشان کن معلوم ہوئے۔ تو آپ نے اپنے لڑکے کو اجنبی لوگوں میں اپنے

سے دُور بھیج دیا۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، یہ سچ ہے کہ میں نے ایسا کیا۔

بلینڈررز۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب آپ اپنے بیٹے کے لئے ایک اجنبی بن گئی ہیں۔

بیگم فرمان علی۔ نہیں، نہیں!

بلینڈررز۔ آپ اب اس کے لئے ایک اجنبی ہیں۔ اتنے عرصہ تک اس سے علیحدہ رہ کر آپ کو ضرور اس کے لئے اجنبی بن جانا چاہئے۔ اور اب وہ کس قسم کا بیٹا ہے جو آپ کے پاس لوٹ کر آیا ہے؟ ذرا اسے غور سے سوچئے، بیگم صاحب .... اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ نے سخت غلطی کی۔ اس کا غیر شعوری اعتراف آپ اُن کی یادگار قائم کرکے کر رہی ہیں۔ اب آپ کو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ آپ اپنے بیٹے کے معاملہ میں بھی غلطی کر رہی ہیں۔ شاید اب بھی یہ ممکن ہے کہ اُس کو غلط راستہ پر چلنے سے روکا جا سکے۔ سنئیے، اب بھی اپنے نظریے بدل دیجئے اور اپنے بیٹے میں جتنی اصلاح کی گنجائش موجود ہے کیجئے، کیونکہ (آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے) بیگم صاحب، ایک ماں کی حیثیت سے آپ خطاوار ہیں۔ میں نے اسے اپنا فرض سمجھا کہ آپ کو جتلا دوں!

(تھوڑی سی خاموشی)

بیگم فرمان علی۔ (آہستہ آہستہ اور اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے بولتی ہے) مسٹر بلینڈررز! آپ کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکے اور کل آپ میرے شوہر کی یادگار قائم کئے جانے کے

موقع پر عام جلسہ میں تقریر بھی کرینگے۔ کل میں کچھ نہ کہہ سکوں گی۔ لیکن آج میں بھی
آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔

بلینڈرز۔ ضرور۔ شاید آپ اپنے رویّہ کے جواز میں کچھ دلائل پیش کرنا چاہتی ہیں ——

بیگم فرمان علی۔ نہیں میں صرف آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

بلینڈرز۔ اچھا کہئے۔

بیگم فرمان علی۔ آپ نے میری اور میرے شوہر کی یکجائی زندگی کے متعلق ——————
اُس وقت سے جب آپ اپنے قول کے مطابق مجھے فرض شناسی کے راستہ
پر لے آئے تھے —————— اب تک جو کچھ کہا اُس میں کوئی بات بھی ایسی
نہیں جس کا آپ کو بلا واسطہ علم ہو۔ اُس وقت سے پھر آپ نے ہمارے گھر
میں قدم نہ رکھا —————— ہاں آپ نے جو پہلے روزانہ
ہمارے یہاں آیا کرتے تھے!

بلینڈرز۔ یاد کیجئے کہ اُس واقعہ کے فوراً بعد ہی آپ اور آپ کے شوہر قصبہ چھوڑ
کر باہر چلے گئے تھے۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، لیکن اُس کے بعد میرے شوہر کے جیتے جی، آپ یہاں ایک
بار بھی تو آئے۔ یہ صرف اس یتیم خانہ کا سلسلہ تھا جس کی وجہ سے آپ یہاں
آنے اور مجھ سے ملنے پر مجبور ہوئے۔

بلینڈرز (دبی زبان سے جیسے ملتجیانہ لہجہ میں) عزیزی، اگر تم ٹھیک سے رہی ہو تو میں تم سے التجا

R 10980

کرتا ہوں کہ یہ تو سوچیے ——————

بیگم فرمان علی ۔ کہ بحیثیت ایک پادری کے مجھ سے ملتے ہیں آپ کی بے عزتی ہوتی

—————— ہاں یہ تو ٹھیک ہے! اور پھر میں ایک ایسی عورت بھی تو تھی ۔

جس نے اپنے شوہر کا ساتھ چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی —————— ! آپ

کے لئے مصلحت یہی تھی کہ ایسی خطرناک اوباش عورتوں سے دور ہی رہا جائے

کیوں ؟

بلینڈرز ۔ بیگم صاحب ، آپ تو کچھ سمجھتی ہی نہیں ۔ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا رہی ہیں ۔

بیگم فرمان علی ۔ اچھا ، یوں ہی سہی ، لیکن میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جب آپ

بیوی کی حیثیت سے میرے طرزِ عمل کو برا کہتے ہیں ۔ تو آپ کے پاس سوائے

اس کے اور کوئی دلیل نہیں کہ رائے عامہ بھی یہی کہتی جو آپ کہتے ہیں ۔ یہی

بات ہے نہ ؟

بلینڈرز ۔ یہی مانتا ہوں ، تو پھر ؟

بیگم فرمان علی ۔ اچھا ، تو مسٹر بلینڈرز ، میں اب حقیقت بیان کرتی ہوں ۔ میں نے

قسم کھائی تھی کہ ایک نہ ایک دن آپ کو —————— اور صرف

آپ کو ہی یہ بتاؤں گی ۔

بلینڈرز ۔ اچھا تو سنائیے ، کیا ہے حقیقت ؟

بیگم فرمان علی ۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا شوہر مرتے دم تک ویسا ہی عیاش اور

آوباش رہا جیسا ہمیشہ تھا۔

بلینڈررز۔ (کرسی کا سہارا لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے) آپ کیا کہہ رہی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ اُنیس (۱۹) سال کی ازدواجی زندگی بسر کرنے کے بعد بھی وہ اپنی نفسانی خواہشات کے اعتبار سے اُتنے ہی اوباش تھے جتنے اُس وقت جب ہم دونوں کو عمر بھر کے لئے رشتۂ ازدواج میں جکڑ دیا گیا تھا۔ اور کیا معلوم شادی سے پہلے بھی اُن کی حرکتیں ایسی ہی ہوں گی!

بلینڈررز۔ کیا آپ ان کی شادی سے پہلے کی بے اعتدالیوں کو اوباشی اور عیاشی کہتی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ میں نہیں کہتی، بلکہ یہ تو اُس ڈاکٹر کی رائے تھی جو مرض الموت میں ان کا معالج تھا۔

بلینڈررز۔ میں نہیں سمجھا، آپ کا مطلب کیا ہے؟

بیگم فرمان علی۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اسے سمجھیں۔

بلینڈررز۔ میرا تو سر چکراتا ہے یہ سوچ کر کہ آپ کی شادی کے بعد ازدواجی زندگی کے وہ تمام سال جو آپ نے اپنے شوہر کے ساتھ گذارے سوائے ایک ناگفتہ بہ مصیبت کے اور کچھ نہ تھے!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، اِس کے سوائے اور کچھ نہ تھے۔ اب آپ کو خبر ہو گئی!

بلینڈررز۔ مگر میں حیرت میں ہوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ آخر یہ کیسے ممکن ہوا؟ اور

ایسے حالات کس طرح چھپے رہے؟

بیگم فرمان علی۔ میرے دن رات اس جدوجہد ہی میں تو ختم ہوئے کہ کسی کو حقیقت حال معلوم نہ ہونے پائے۔ جب آسولڈ پیدا ہوا تو مجھے خیال ہوا کہ اب اُن کی عادتیں کچھ سنبھلیں گی۔ کچھ دن وہ ٹھیک رہے مگر پھر وہی بلکہ اس سے بدتر حرکات شروع کر دیں۔ اور اس کے بعد مجھے پہلے سے دُگنی کوشش اس بات کی کرنی پڑی کہ کسی کو یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ میرے بچے کا باپ کس قسم کا آدمی تھا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ اُن کو کیسی چکنی چپڑی باتیں بنانی آتی تھیں۔ اُن کے ظاہر پر مشکل ہی سے کسی کو شبہ ہو سکتا تھا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھے، جن کے پوشیدہ افعال کا کوئی اثر اُن کی شہرت اور ہر دل عزیزی پر نہیں پڑتا۔ لیکن آخر کار، مسٹر مینڈرز، آپ کو یہ بھی سننا ہی ہو گا، کہ آخر کار انھوں نے ایک ایسی حرکت کی جس نے اُن کی سب پچھلی بے اعتدالیوں کو مات کر دیا۔

مینڈرز۔ کیا اس سے بھی زیادہ گندی جو آپ مجھے سنا چکی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ میں نے سب کچھ خاموشی سے برداشت کیا، گو مجھے بخوبی علم تھا کہ گھر سے باہر چوری چھپے اُن کے افعال کیا تھے لیکن جب یہ نوبت آ گئی کہ گھر کے اندر اُن کی وہ حرکتیں ہونے لگیں تو ——————

مینڈرز۔ کیا واقعی آپ سچ کہہ رہی ہیں؟ یہاں؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں، یہاں اسی گھر کے اندر جہاں آپ اس وقت ہیں۔ ذرا ہنے

، دروازہ کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) اس ڈرائنگ روم میں مجھے پہلی بار
اصل حقیقت کی جھلک نظر پڑی۔ مجھے یہاں کچھ کام تھا اور دروازہ کھلا ہوا
تھا۔ میں نے اپنی خادمہ رکمنیا کو باغیچہ میں سے گلدانوں کے پھولوں کے لئے
پانی لاتے دیکھا۔

بلینڈرز۔ پھر کیا ہوا؟

بیگم فرمان علی۔ اس کے فوراً بعد ہی میرے شوہر بھی اندر آئے۔ میں نے انہیں
دھیمی آواز میں رکمنیا سے کچھ کہتے سنا۔ میں نے .... اس کے بعد میں
نے سنا (ہلکی سی ہنستی ہے) ———— اوہ، وہ آواز ابھی تک
میرے کانوں میں گونج رہی ہے، وہ مضحکہ خیز، دل شکن، بھیانک آواز! ————
میں نے اپنی خادمہ رکمنیا کو یہ کہتے سنا "نواب صاحب" چھوڑ دیجئے، مجھے
چھوڑ دیجئے"

بلینڈرز۔ یہ واقعی اُن کی بڑی بیہودہ حرکت تھی! لیکن اس سے زیادہ یقیناً اور کچھ نہ ہوا
ہوگا۔ مجھے اس کا یقین ہے، بیگم صاحبہ!

بیگم فرمان علی۔ مگر مجھے بہت جلد اس ناشائستہ امر کا یقین کرنا پڑا۔ میرے شوہر نے
اپنا ارادہ اس عورت کے ساتھ پورا کیا ———— اور، مسٹر بلینڈرز، جلد ہی ہی اس
کا نتیجہ بھی ظاہر ہو گیا۔

بلینڈرز۔ (جو پتھر کے بت کی طرح اپنی جگہ بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا ہے) اور یہ سب کچھ اسی گھر میں

ہؤا، اسی گھر میں؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں، اس گھر میں مجھے بہت سے صدمے اٹھانے پڑے ہیں۔ رانلڈ کو انہیں گھر سے باہر جانے سے روکنے کے لئے مجھے ان کے اس بالاخانہ والے کمرے میں اُن کے ساتھ شراب پینی پڑتی تھی، اُن کی شہوانی اور حیوانی بکواس کو سننا پڑتا تھا۔ اُن کی گالیاں برداشت کرنی پڑتی تھیں، اُن کو چارپائی پر لٹانے کے لئے ان سے زور آزمائی کرنی پڑتی تھی ——————

ملینڈرز۔ (کانپتے ہوئے) اور آپ یہ سب کچھ خاموشی سے برداشت کرتی رہیں!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، مجھے اپنے معصوم چھوٹے سے بیٹے کا خیال تھا۔ اور اُسی کی خاطر میں نے سب کچھ سہہ لیا۔ لیکن جب میری تحقیر کی حد ہو گئی ....

جب میری اپنی خادمہ .... تو میں نے طے کر لیا کہ اب ان باتوں کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ تب میں نے گھر کے تمام معاملات کو ہاتھ میں لے لیا۔ اور ان کی یا کسی کی نہیں سُنی۔ میرے پاس اُن کے خلاف استعمال کرنے کو ایک حربہ آگیا تھا۔ اس لئے وہ چوں و چرا نہ کر سکتے تھے۔ یہ اُس زمانہ کی بات ہے جب میں نے آسولڈ کو گھر سے باہر بھیج دیا۔ آسولڈ اُس وقت سات برس کا تھا اور بچوں کی طرح باتیں سمجھنے اور سوال پوچھنے لگا تھا۔ میرے محسن، میں نے کیا کچھ برداشت نہیں کیا۔ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ اگر میرے بچہ نے اس گھر کی ہوا میں زیادہ عرصہ سانس لیا تو وہ مسموم ہو جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے

اُسے اپنے سے دور بھیج دیا۔ اور اب آپ یہ بھی سمجھ گئے ہونگے کہ کیوں اپنے باپ کی زندگی میں اُس نے پھر اِس گھر میں قدم نہیں رکھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا یا ہو سکتا کہ بچہ کی جدائی سے مجھ پر کیا گذری! ابھی وہ زمانہ تھا جب اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے مجھے اپنا مذہب بھی تبدیل کرنا پڑا۔ میری دماغی حالت اِس قابل نہ تھی کہ میں تمام مذہبوں کی بھلائیوں یا برائیوں پر غور کر سکتی۔ مجھے صرف ایک بات کا احساس تھا اور وہ یہ کہ میرا آبائی مذہب ہندوستان میں اتنا زیادہ مسخ ہو چکا ہے اور اُس نے معاشرت کو اتنا گندہ کر دیا ہے کہ اس میں ایک انسان، خصوصاً ایک عورت، کو اپنی شخصیت قائم رکھنے کی گنجائش ہی نہیں کوئی آزادی ہی نہیں، آپ کے مذہب کی اصل اور حقیقت پر میں نے کبھی غور نہیں کیا مگر ہاں مجھے ایک بات نظر آئی اور وہ یہ کہ آپ کی معاشرت میں عورت کو جد و جہد کرنے کی آزادی ہے اور رسم و رواج اُس کا گلا نہیں گھونٹتے۔ ایسے حالات میں جن میں میں گھری تھی میرے پاس سوائے اِس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ میں آپ کا مذہب اختیار کر لوں اور اپنی فرسودہ معاشرت ——— اور مشرقی روح ——— کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دوں۔ سمجھے آپ؟ میں مذہب و ذہب کچھ نہیں جانتی۔ نہ کبھی کسی نے میرے آبائی مذہب کے متعلق مجھے کچھ بتایا نہ بعد میں زندگی کے آلام نے مجھے اس قابل چھوڑا کہ میں مذہب کی اصلیت پر غور کرتی۔ میں نے مذہب تبدیل نہیں کیا، صرف معاشرت

تبدیل کی ہے گو اس کے لیے بظاہر مذہب بھی تبدیل کرنا پڑا۔
شاید آپ کی خود پسندی کو یہ معلوم کر کے ٹھیس لگے کہ یہ آپ کی تعلیم و تبلیغ کا کارنامہ نہ تھا جس نے مجھے تبدیلِ مذہب پر مجبور کر دیا۔ میں اپنی ہی معاشرت کی ستائی ہوئی ہوں!

پلینڈرز۔ آپ کی زندگی کے حالات واقعی بہت افسوس ناک ہیں۔

بیگم فرمان علی۔ اپنی معاشرت کی اسیر رہ کر میں زندہ نہ رہ سکتی تھی۔ اپنی اور ہندوستانی ہم جنسوں کی طرح شوہروں کی بے اتفاقی اور ظلم کے سبب مجھے بھی تپ دق ہو جاتا۔ زندگی کے جذبہ نے مجھے آپ کی معاشرت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور معاشرت تبدیل کرتے ہی میں نے اپنے آپ کو ہمہ تن کام میں مشغول کر دیا۔ اگر میں چاہوں تو اپنے منہ سے اپنی تعریف کر سکتی ہوں کہ میں نے بھی اس دنیا میں کوئی کام کیا ہے۔ زمینداری کی آمدنی میں ترقی اور وہ تمام خوش انتظامیاں جن کی وجہ سے میرے شوہر کی نیک نامی ہوتی تھی! ——————— کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ اس نیک نامی کے مستحق تھے؟ وہ جنہیں دنیا میں سوائے عیاشی کے اور کسی بات کی پرواہ نہ تھی؟ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں، لائیے، اب آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہ میری ہی ان تھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ وہ آخر تک اپنا دماغ صحیح رکھ سکے ورنہ وہ یقیناً زناکاری اور کثرتِ مے نوشی سے پاگل ہو چکے ہوتے۔ یہ میں ہی تھی جس نے اپنے اوپر تمام جین آرام حرام

گو کہ اُن کی سب زیادتیوں کو برداشت کیا اور اُف تک نہ کی!

بلینڈرز۔ اور اس شخص کے لیے تم یادگار قائم کر رہی ہو؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں ضمیر کی ملامتوں کی یہ بھی ایک تم ظریفی ہے!

بلینڈرز۔ ضمیر کی ملامتوں سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

بیگم فرمان علی۔ مجھے ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ اصل حقیقت کا دنیا سے چھپانا ناممکن ہے۔ لوگ کسی ڈھونگ کا عرصہ تک اعتبار نہیں کرتے۔ اس لیے اُن کے شکوک اور چہ می گوئیوں اور کانا پھوسیوں کو ختم کرنے کے لیے یہ یتیم خانہ بنایا جا رہا ہے۔

بلینڈرز۔ اور بیگم صاحب، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ اپنے اس مقصد میں ناکامیاب نہیں رہی ہیں۔

بیگم فرمان علی۔ اس یتیم خانہ کے بنانے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ آسولڈ کو اپنے باپ کی طرف سے ایک پیسہ بھی ورثہ میں نہ ملے۔

بلینڈرز۔ تو یہ یتیم خانہ نواب صاحب کے کل روپیہ سے بنایا جا رہا ہے؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں، جو روپیہ وقتاً فوقتاً میں نے اس عظیم الشان یتیم خانہ کی تعمیر کے لیے دیا ہے، اُس کو جوڑا جائے تو نواب فرمان علی کی آبائی جائداد کی قیمت کے برابر ہو جائے گا۔ میں نے اچھی طرح حساب کر کے دیکھ لیا ہے۔

بلنڈرز۔ میں سمجھا۔ مگر

بیگم فرمان علی۔ میں نہیں چاہتی کہ اس میں سے ایک پائی بھی آسولڈ کو ملے میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ میرا بیٹا میری ہی پیدا کی ہوئی جائداد کا وارث ہوگا۔

(آسولڈ داہنی طرف کے دروازہ سے اندر آتا ہے اس نے اپنا کوٹ اور ہیٹ باہر برآمدہ ہی میں چھوڑ دیا ہے)

بیگم فرمان علی۔ (آسولڈ سے مخاطب ہو کر) ٹہل آئے میرے پیارے بچے؟

آسولڈ۔ اور اس موسم میں آدمی کر ہی کیا سکتا ہے؟ بارش ہے یا شیطان کی لعنت! کیا کھانا تیار ہے؟

(ریجینا کھانے کے کمرہ سے ہاتھ میں ایک پلندہ لئے آتی ہے)

ریجینا۔ بیگم صاحب، یہ پارسل آپ کے نام آیا ہے۔ (پارسل بیگم فرمان علی کو دیدیتی ہے)

بیگم فرمان علی۔ (آسولڈ کی طرف دیکھتے ہوئے) میرے خیال میں یہ وہ مدحیہ قصیدہ ہے جو کل پڑھا جائے گا۔

بلنڈرز۔ ہوں ——— !

ریجینا۔ اور، بیگم صاحب، کھانا تیار ہے۔

بیگم فرمان علی۔ اچھا، ہم لوگ ابھی آتے ہیں۔ میں ذرا اسے ———

(پارسل کھولنے لگتی ہے)

ریجینا۔ (آسولڈ سے) سرکار، کیا آپ سرخ شراب پئیں گے یا سفید؟

آسولڈ۔ دونوں میں واپس۔

ریجینا۔ بہت بہتر سرکار۔ (کھانے کے کمرہ میں جاتی ہے)

آسولڈ۔ (اس کے پیچھے پیچھے کھانے کے کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے اور اپنے پیچھے بے خیالی میں دروازہ کھلا چھوڑتے ہوئے) لاؤ، بوتل کھولنے میں میں تمہاری مدد کردوں۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، میرا خیال صحیح تھا۔ یہ قصیدہ ہی ہے مسٹر مینڈرز۔

مینڈرز۔ (اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے) میں کل وہ ایڈریس کیسے پڑھ سکوں گا ——؟

بیگم فرمان علی۔ اوہ مسٹر مینڈرز، ہمت کیجئے۔ آپ ضرور پڑھ سکیں گے۔

مینڈرز۔ (آہستہ سے تاکہ اس کی آواز کھانے کے کمرہ میں نہ پہنچ سکے) ہاں، ہمیں کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہیئے جس سے لوگوں کو کچھ شک ہو۔

بیگم فرمان علی۔ (آہستہ سے مگر مستقل مزاجی کے ساتھ) نہیں، ورنہ یہ خطرناک مضحکہ خیز کھیل ختم ہو جائے گا۔ کل کے بعد میں سمجھوں گی کہ گویا کبھی میرا شوہر زندہ ہی نہ تھا۔ اس کے بعد سوائے میرے اور میرے بیٹے کے اس گھر میں اور کوئی نہ ہوگا۔

(کھانے کے کمرہ سے ایک کرسی کے گرنے کی آواز آتی ہے۔ پھر ریجینا کی دبی ہوئی مگر صاف آواز آتی ہے "آسولڈ، کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔ چھوڑ دو مجھے!)

بیگم فرمان علی (خوفزدہ ہو کر کرسی پر اچھل پڑتی ہے) اوہ ——!

(بیگم فرمان علی کھانے کے کمرہ کے آدھے کھلے ہوئے دروازہ کی طرف خوف اور

گھبراہٹ سے دیکھتی ہے۔ آنسو آنکھ کے کھانسنے اور گنگنانے کی آواز آتی ہے
اور پھر ایک بوتل کے کھلنے کی)

لینڈرز۔ (مضطرب انداز میں) کیوں؟ بیگم صاحب، آپ کو کیا ہوا؟

بیگم فرمان علی۔ (آواز گلے میں پھنس جاتی ہے) بھوت! اسی کمرہ میں پھر وہی
دونوں ——

لینڈرز۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ارے جینا؟ کیا وہ ——؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں، آؤ، کچھ نہ بولو ——!

(بیگم فرمان علی لینڈرز کا بازو تھام لیتی ہے اور لڑکھڑاتے ہوئے کھانے کے
کمرہ میں داخل ہوتی ہے)

——————

دوسرا ایکٹ

(وہی منظر ہے۔ فضا کہرے سے دھندلی ہو رہی ہے۔ مینڈرز اور بیگم فرمان علی کھانے کے کمرہ سے اندر داخل ہوتے ہیں۔

بیگم فرمان علی۔ (کھانے کے کمرہ کے دروازہ میں سے آواز دیتی ہے) آسولڈ، کیا تم یہاں نہ آؤ گے؟

آسولڈ۔ نہیں، اماں، میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔

بیگم فرمان علی۔ اچھا جاؤ، مطلع صاف ہو رہا ہے۔ (کھانے کے کمرہ کا دروازہ

بند کر دیتی ہے اور پھر ہال کے دروازہ کے پاس جا کر پکارتی ہے) ریجینا!

ریجینا۔ (باہر سے جواب دیتی ہے) آئی بیگم صاحب!

بیگم فرمان علی تم ذرا اسباب والے کمرہ کو تو جھاڑ آؤ۔

ریجینا۔ اچھا، بیگم صاحب!

(بیگم فرمان علی تھوڑی دیر کھڑی رہ کر اطمینان کر لیتی ہے کہ ریجینا چلی گئی۔ پھر دروازہ بند کر دیتی ہے)

بلینڈرز۔ میرا خیال ہے کہ آسولڈ اب ہماری باتیں نہ سن سکے گا۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، دروازہ تو بند ہے اور وہ باہر بھی جا رہا ہے!

بلینڈرز۔ بیگم صاحب، میں تو بالکل حواس باختہ ہو گیا ہوں۔ میں بتا نہیں سکتا کہ کھانے کے دو تین لقمے میرے حلق سے کس طرح نیچے اترے۔

بیگم فرمان علی۔ (کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے اور اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے) نہ مجھ سے ہی کھایا گیا۔ مگر اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

بلینڈرز۔ ہاں، اب سوال تو یہی ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں! ایسی باتوں سے مجھے زندگی بھر کبھی سابقہ نہیں پڑا!

بیگم فرمان علی مجھے یقین ہے کہ ابھی تک کوئی معیوب بات ان دونوں کے درمیان نہیں ہوئی ہے۔

بلینڈرز۔ خدا نہ کرے۔ مگر آسولڈ کی یہ بڑی خراب حرکت تھی ————

بیگم فرمان علی۔ مجھے یقین نہیں کہ یہ آسد لڈ کی محض بیوقوفی ہی تھی یا مذاق تھا۔
ملینڈرز۔ جیسا میں نے عرض کیا، مجھے اس قسم کی باتوں سے پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا
پھر بھی مجھے تو یقینی طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ——————
بیگم فرمان علی۔ اب ریجینا اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں
میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ ——————
ملینڈرز۔ ہاں، یہ تو بالکل مانی ہوئی بات ہے۔
بیگم فرمان علی۔ مگر وہ جائے گی کہاں؟ اُسے اس طرح بے یار و مددگار گھر سے نکال
دینا ٹھیک نہیں!
ملینڈرز۔ کہاں جائے گی؟ اپنے باپ کے پاس! اور کہاں جائے گی؟
بیگم فرمان علی۔ کس کے پاس؟ کیا کہا آپ نے ——————؟
ملینڈرز۔ اپنے باپ —————— مگر نہیں، دا آس تو اس کا باپ —————— او
خدا! بیگم صاحب، یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہو گی!
بیگم فرمان علی۔ غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ رونا تو اسی کا ہے۔ رگمنیا نے خود
مجھ سے اعتراف کر لیا اور میرے شوہر بھی اس بات کے سچ ہونے سے انکار
نہ کر سکے۔ پھر سوائے اس بات پر پردہ ڈالنے کے اور کیا کیا جا سکتا تھا؟
ملینڈرز۔ ہاں، ایسی بات کو چھپانے کے سوائے اور کوئی چارہ نہ تھا!
بیگم فرمان علی۔ میں نے رگینا کو فوراً گھر سے باہر نکال دیا اور اُسے کافی رقم دے دی

تاکہ وہ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرے۔ باقی سب کچھ رکمنیا نے [illegible] دکیا۔ شہر میں پہنچ کر اس نے داس بڑھئی سے اپنی پرانی ملاقات کی تجدید کی ــــــ شاید یہ بھی بتایا ہو کہ اس کے پاس کتنا روپیہ ہے اور ممکن ہے کہ اپنے ساتھ کسی خیالی سپاہی کی عشقبازی کا قصہ بھی گھڑا ہو! ــــــ اور اس طرح داس اور رکمنیا کی جلدی جلدی شادی ہو گئی۔ آپ ہی نے تو ان دونوں کی شادی کی تھی!

بلینڈرز۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ــــــ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ داس خود میرے پاس آیا تھا اور یہ التجا کی تھی کہ میں اس کی شادی رکمنیا کے ساتھ کر دوں۔ وہ بہت منفعل سا معلوم ہوتا تھا اور تلخی آمیز تاسف کے ساتھ اپنے آپ کو اپنی منگیتر کے ساتھ "بے راہ روی" کا مجرم بتاتا تھا۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، اسے سارا الزام اپنے سر لینا پڑا۔

بلینڈرز۔ مگر یہ اس کی کتنی دھوکہ بازی تھی۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ــــــ اپنے پادری سے! مجھے جوزف داس سے یہ امید نہ تھی۔ اب اگر میری اس سے ملاقات ہوئی تو میں اس کی اچھی طرح خبر لونگا ــــــ

اور یہ شادی کیسی بے حیائی کی شادی تھی! محض روپیہ کی خاطر ــــــ! رکمنیا کو آپ نے کتنے روپے دیئے تھے؟

بیگم فرمان علی۔ تین سو۔

بلینڈرز۔ خیال تو کیجئے محض تین سو روپیہ کی خاطر اُس نے ایک فاحشہ سے شادی کر لی!

بیگم فرمان علی۔ پھر میرے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے ———؟ میں نے بھی تو قریب قریب ایسے ہی حالات میں ایک آوارہ مرد کے ساتھ اپنی شادی ہو جانے دی تھی!

بلینڈرز۔ خدا آپ پر رحم کرے! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ آوارہ مرد؟

بیگم فرمان علی۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ مجھ سے نکاح پڑھاتے وقت نواب صاحب (جب اُس نے گرجا میں جا کر دانش سے شادی کی) کسی حالت میں بہتر رکھنیا سے تھے؟

بلینڈرز۔ اوہ، ان دونوں شادیوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ———

بیگم فرمان علی۔ نہیں، زیادہ فرق تو نہیں! مگر ہاں، قیمت کے اعتبار سے ضرور زیادہ فرق تھا ——— وہی فرق جو تین سو روپے اور نواب صاحب کی اتنی بڑی جائداد میں ہے!

بلینڈرز۔ آپ اتنی زیادہ مختلف چیزوں کا مقابلہ ایک دوسری سے کیسے کر سکتی ہیں؟ میرا خیال ہے کہ آپ نے اپنے دل سے اور اپنے رشتہ داروں کی مرضی سے نواب صاحب کے ساتھ شادی کی تھی!

بیگم فرمان علی۔ (بلینڈرز کی طرف منہ پھیرتے ہوئے) میرا تو خیال تھا کہ آپ جانتے ہیں

کہ اس وقت جسے آپ میرا دل کہتے ہیں کہاں تھا!

بلینڈرز۔ (آواز گلے میں پھنس جاتی ہے) اگر میں اس قسم کی کوئی بات سمجھتا تو آپ کے شوہر کے گھر مہمان کی حیثیت سے نہ آیا کرتا۔

بیگم فرمان علی۔ بہرحال، یہ یقینی ہے کہ شادی کے معاملہ میں میرے دل کی مرضی کا کوئی سوال نہ تھا۔

بلینڈرز۔ پھر بھی، آپ نے اپنے رشتہ داروں ——— اپنی والدہ اور دو نوں خالاؤں کی رضامندی تو لی ہی ہو گی۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، اُن ہی لوگوں کی تو مرضی تھی۔ انھوں نے ہی سب کچھ طے کیا۔ نہ معلوم کیوں انھوں نے یہ خیال کیا کہ ایسی جگہ کے پیغام کو رد کرنا بے وقوفی ہو گی۔ کاش کہ میری والدہ اپنی عقلمندی اور دُور اندیشی کا انجام دیکھ سکتیں!

بلینڈرز۔ انجام کا ذمّہ دار تو کسی کو بھی نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کہ آپ کی شادی اخلاق اور قانون کے مطابق ہوئی تھی۔

بیگم فرمان علی۔ (کھڑکی کے پاس جاتے ہوئے) میں اکثر سوچا کرتی ہوں کہ دُنیا کی سب مصیبتوں کے باعث یہی انسانوں کے بنائے ہوئے اخلاقی اصول اور قانون ہیں۔

بلینڈرز۔ یہ آپ نے نہایت نامناسب بات کہی!

بیگم فرمان علی۔ ممکن ہے، لیکن میں تو اسی نتیجہ پر پہنچی ہوں۔ میں اب سماج کی بندشوں

کو زیادہ اہمیت نہیں دے سکتی۔ مجھے اپنے ضمیر اور اپنی روح کی آزادی کے
لئے جد و جہد کرنی پڑے گی۔

بلینڈرز۔ آپ کا مطلب ؟

بیگم فرمان علی۔ (انگلیوں سے کھڑکی کے شیشے بجاتے ہوئے) مجھے کبھی یہ بات نہ چھپانی
چاہئے تھی کہ میرے شوہر نے کیسی زندگی گذاری ——— لیکن مجھ میں
اخلاقی جرأت نہ تھی کہ ان کی زندگی کو بے نقاب کر دیتی یا آزادانہ اپنا طریقِ
زندگی نکالتی۔ یہ میری کمزوری اور بزدلی تھی۔ میں زبانِ خلق سے ڈر گئی۔

بلینڈرز۔ بزدلی !

بیگم فرمان علی۔ سماج اندھی ہے۔ اگر لوگوں کو اصل حقیقت بھی معلوم ہو جاتی تب بھی
وہ یہی کہتے :-
"بے چارہ کتنا بد قسمت ہے، جس کی بیوی اسے چھوڑ کر بھاگ جائے وہ عیاشی
نہ کرے تو اور کیا کرے !"

بلینڈرز۔ اور ——— لوگ ایسا کہنے میں حق بجانب ہوتے۔

بیگم فرمان علی۔ (بلینڈرز کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہوئے) اگر میں ایسی عورت ہوتی جیسا
مجھے ہونا چاہئے تھا۔ تو میں آسد لڈ کو ضرور اپنا شریکِ راز بنا کر اس سے کہتی:
"دوست، میرے لال، تیرا باپ ایک آوارہ آدمی تھا ———"

بلینڈرز۔ آپ کی حالت قابلِ رحم ہے۔ آپ بہت دکھی ہیں !

بیگم فرمان علی ۔ ــــ اور میں آپ سے شروع سے آخر تک وہ سب کچھ بتا دیتی جو
آپ سے کہہ چکی ہوں ــــــ

بلینڈرز۔ بیگم صاحب، آپ پر تو مجھے حیرت ہوتی ہے!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، میں جانتی ہوں، خوب جانتی ہوں۔ مجھے خود اپنے پہ حیرت
ہے ــــ جب میں سوچتی ہوں! (کھڑکی کے پاس ہٹ آتی ہے) میں
اب بھی بزدل ہوں۔

بلینڈرز۔ کیا آپ اسے بزدلی کہتی ہیں کہ آپ نے صرف اپنا فرض پورا کیا؟ کیا آپ یہ
بھول گئیں کہ بچے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی عزت کرے
اور اپنے دل میں ان کے احترام کا جذبہ لئے رہے؟

بیگم فرمان علی۔ ہمیں عام خیالی اصولوں سے بحث نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ حقیقت پر بھی
نظر رکھنی چاہئے۔ فرض کیجئے کہ ہم یہ کہیں:
"کیا آسولڈ کو نواب صاحب سے محبت اور اُن کی عزت کرنی چاہئے؟"

بلینڈرز۔ آپ ایک ماں ہیں۔ کیا آپ کے دل کے اندر سے یہ آواز نہیں آتی:۔
"باپ کے متعلق اپنے بیٹے کے اچھے خیالات کو نہ بگاڑو۔ اُس کے آئیڈیل
کا خون نہ کرو!"

بیگم فرمان علی۔ آپ کی ہمیشہ سچ بولنے کی تعلیم کیا ہوتی؟

بلینڈرز۔ مگر اُس کے آئیڈیل!

بیگم فرمان علی۔ اوہ، آئیڈیل! آئیڈیل! چولہے بھاڑ میں جائیں آئیڈیل! کاش
میں اتنی بزدل نہ ہوتی!

بلینڈرز۔ بیگم صاحب، آئیڈیل کی تحقیر نہ کیجئے۔ اس کی یادداشت بڑی ملتی ہے۔ آسوکڈ
ہی کو دیکھئے، اُس کے آئیڈیل زیادہ نہیں۔ یہ بڑی افسوسناک بات ہے۔
مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ اُس کی نظروں میں اُس کا باپ ایک آئیڈیل ہے۔

بیگم فرمان علی۔ یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔

بلینڈرز۔ اپنے باپ کے متعلق اُن کے خیالات وہی ہیں جو آپ نے اپنے اوپر اتنی
مصیبت اُٹھا کر اُس کے دل میں پیدا کر دیئے ہیں!

بیگم فرمان علی۔ ہاں میں اسی فرض شناسی اور دوسروں کا لحاظ کرنے کی وجہ ہی
سے تو ڈانوا ڈول ہو گئی۔ جب ہی تو سالہا سال سے میں اپنے بیٹے سے جھوٹ بولتی
چلی آتی ہوں۔ اوہ، میں کتنی بزدل نکلی ———— پرلے درجے کی بزدل!

بلینڈرز۔ آپ نے اپنے بیٹے کے ذہن میں ایک خیالی ہیولا قائم کر دیا ہے! اب اس
نقش کو نہ لگائیے۔

بیگم فرمان علی۔ کون جانے کہ میں نے یہ اچھا کیا یا برا کیا ———— بہرحال
میں آسوکڈ کو بینجیا کے ساتھ کوئی تعلق قائم نہ کرنے دوں گی۔ وہ بے چاری
لڑکی مصیبت میں پڑ جائے گی!

بلینڈرز۔ معاذ اللہ، یہ تو بہت عجیب اور خطرناک بات ہوگی!

بیگم فرمان علی۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ آسولڈ کی یہ حرکت دل سے کی گئی تھی اور واقعی اُس کی آئندہ زندگی کی خوشی اسی پر منحصر ہے کہ ——

ملینڈررز۔ کس پر؟ میں نہیں سمجھا۔

بیگم فرمان علی۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ ریجینا اس کی تاب نہ لا سکے گی! بد قسمتی تو یہی ہے

ملینڈررز۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ آپ کا مطلب کیا ہے؟

بیگم فرمان علی۔ اگر میں ایسی بزدل نہ ہوتی جیسی میں ہوں تو میں آسولڈ سے کہتی:۔ "ریجینا سے شادی کر لو یا اُس سے کسی قسم کا معاہدہ کر لو۔ مگر دُنیا والوں کو دھوکا نہ دو!"

ملینڈررز۔ او خدا، ہم گنہگاروں پر رحم کر! کیا آپ ان دونوں کے درمیان شادی جیسی انہونی بات سوچ رہی ہیں؟ یہ تو کبھی سننے میں بھی نہیں آئی!

بیگم فرمان علی۔ کیا کہا؟ سننے میں بھی نہیں آئی؟ اچھا مسٹر ملینڈررز، ایمانداری سے بتائیے کہ اس شریفوں کی بستی ہی میں کتنے شادی شدہ جوڑے ایسے ہیں جو خون کے رشتہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے اتنے ہی قریب نہیں جتنے آسولڈ اور ریجینا۔

ملینڈررز۔ میں یقیناً آپ کی باتیں نہیں سمجھ سکتا۔

بیگم فرمان علی۔ آپ ضرور سب کچھ سمجھ رہے ہیں مگر اُن کا اعتراف کرنے کی ہمت اپنے میں نہیں پاتے۔

بلینڈرز۔ آپ اُن حالات کا ذکر کر رہی ہیں جو شاذ و نادر ہی رُونما ہوا کرتے ہیں۔ گو یقیناً یہ سچ ہے کہ پردہ کی سختی کے باوجود ہندوستانی گھروں کی زندگی اتنی پاک صاف نہیں جتنی ہونی چاہیئے۔ مگر جس قسم کی بات کی طرف آپ اشارہ کر رہی ہیں" ——— اوہ، اُس کے متعلق تو یقین کے ساتھ کچھ کہنا ناممکن ہے!

مگر آپ ماں ہوتے ہوئے بھی اس بات پر رضامند ہیں کہ آپ کا بیٹا ——— ریحینا کے ساتھ ——— !

بیگم قربان علی۔ لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں رضامند ہوں۔ میں ایسی بات ہرگز دنیا تک نہ ہونے دوں گی۔ میں یہی تو کہہ رہی تھی۔

بلینڈرز۔ نہیں آپ یہ نہ ہونے دینگی، کیونکہ جیسا آپ نے ابھی کہا کہ آپ بُزدل ہیں! لیکن فرض کیجئے کہ آپ بُزدل نہ ہوتیں، تب ——— ؟ او خدا! ایسی شادی کا خیال بھی کیسا کراہت انگیز ہے!

بیگم قربان علی۔ اگر آپ بحث ہی کرتے ہیں تو سنیئے۔ کیا جیسا ہمیں بتایا گیا ہے، ہم سب آدم اور حوا کے سگے بیٹے بیٹیوں ہی کے جنسی تعلق سے پیدا نہیں ہوئے ہیں؟ مسٹر بلینڈرز، ذرا یہ تو بتایئے کہ اس ناگوار واقعہ کی ذمہ داری کس پر عاید ہوتی ہے؟

بلینڈرز۔ میں آپ سے بحث نہیں کر سکتا، خصوصاً اس وقت جبکہ آپ کے دماغ کی حالت پر سکون نہیں ہے۔ لیکن مجھے تعجب اس کا ہے کہ آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ یہ

آپ کی بزدلی تھی ــــــــــــــ!

بیگم فرمان علی۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ میرا اس سے کیا مطلب تھا۔ میں خوف زدہ اور بزدل ہوں کیونکہ میں ہر وقت، جہاں کہیں بھی جاؤں، اپنے آپ کو ایسے بھوتوں سے گھرا ہوا پاتی ہوں جن سے میں کبھی چھٹکارا نہیں پا سکتی۔

بینڈرز۔ آپ اپنے آپ کو کن سے گھرا ہوا پاتی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ بھوتوں سے۔ جب میں نے آسو کلڈا اور ریحینا کو کھانے کے کمرہ میں باتیں کرتے سنا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں نواب صاحب اور رُکمنیا کے بھوتوں کو دیکھ رہی ہوں مسٹر مینڈرز! کبھی کبھی تو مجھے یہ یقین ہونے لگتا ہے کہ ہم سب بھوت ہی بھوت ہیں۔ کیا ہم میں وہی چیزیں، وہی خصوصیتیں نہیں پائی جاتیں جو ہمیں اپنے باپوں اور ماؤں سے ورثہ میں ملی ہیں؟ ہم لوگ انسان نہیں بلکہ پرانے فرسودہ اور مردہ خیالات اور معتقدات کے مرگھٹ اور قبرستان ہیں! یہ خیالات ہم میں نہ بالکل مردہ ہوتے ہیں نہ زندہ، بلکہ ہماری فطرت اور ہمارے تحت الشعور میں سوئے رہتے ہیں اور ہم ان سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ میں جب کبھی کوئی کتاب یا اخبار پڑھتی ہوں تو مجھے اُن کی سطروں کے بیچ میں بھوت ہی بھوت دکھائی دیتے ہیں۔ دنیا میں ہر طرف، جدھر نظر اٹھاؤ، بھوت ہی بھوت پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریت کے ذروں کی طرح یہ بھوت بھی بے شمار ہیں! ہم سب روشنی سے کتنے زیادہ خائف

ہیں! اندھیرے ہیں رینگنا پسند کرتے ہیں،

بلینڈرز۔ آہ۔ زیادہ کتابیں پڑھنے کا یہی نتیجہ ہے۔ اس قسم کے خلاف قانون یا غیبانہ ادب کے مطالعہ سے یہی تو ہوتا ہے!

بیگم فرمان علی۔ یہاں آپ غلطی پر ہیں۔ آپ ہی نے سب سے پہلے مجھ میں غور و خوض کی عادت پیدا کی! اور میں اُس کے لئے آپ کی بہت احسان مند ہوں۔

بلینڈرز۔ میں نے!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، آپ ہی نے مجھے فرض شناسی پر مجبور کر کے اور جس چیز کے خلاف میری رُوح بغاوت کرتی تھی اُسے اچھا کہہ کر اور اُس کی تعریف کر کے مجھے حقیقتوں پر غور کرنے کی عادت ڈلوائی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے آپ کی تعلیم کو پرکھنا اور اُس پر دل ہی دل میں تنقید کرنا شروع کیا۔ میں تو صرف تھوڑا سا انکشاف چاہتی تھی ———— مگر اس کے ساتھ ہی سماج، اخلاق، فرض شناسی وغیرہ ———— سارے ڈھونگ کی حقیقت کھل گئی۔ اور سارے ہوائی قلعے مسمار ہو گئے تب ہی مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب اُصول بھی انسان کی بنائی ہوئی اور چیزوں کی طرح ناقص تھے اور ازلی نہ تھے!

بلینڈرز۔ کیا میری زندگی بھر کی ساری جدوجہد کا یہی نتیجہ ہوا!

بیگم فرمان علی۔ یہ آپ کی زندگی کی بدترین شکست تھی!

بلینڈرز۔ ہیلین، یہ تو میری زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ میں نے اپنے آپ پر،

گناہ اور شیطان پہ فتح پائی تھی!

بیگم فرمان علی ۔ نہیں، آپ نے جو کچھ کیا وہ اپنے اور میرے ساتھ بُرائی اور ناانصافی کرنے کے مرادف تھا۔ آپ نے سخت غلطی کی! آپ نے بڑا گناہ کیا!

ولینڈرز ۔ گناہ! کیا ایک دوسرے کی بیوی کو پھر اس کے پاس واپس جانے کی تلقین کرنا اور ترغیب دینا گناہ تھا؟ یاد کیجئے وہ وقت جب آپ میرے پاس آئی تھیں اور رو رو کر مجھ سے کہا تھا: "میں تمہاری پناہ ڈھونڈنے آئی ہوں ۔ تمہاری ہو کر رہنے کے لئے آئی ہوں۔ میں ہمیشہ تم سے محبت کرتی رہی ہوں۔ تم بھی تو بچپن میں کہا کرتے تھے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے!" کیا جو کچھ میں نے کیا وہ گناہ تھا؟

بیگم فرمان علی ۔ ہاں، میرا یہی خیال ہے ۔

ولینڈرز ۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو نہیں سمجھتے!

بیگم فرمان علی ۔ ہاں، کم از کم اب تو نہیں سمجھتے ——— مگر ———

ولینڈرز ۔ بیگم صاحب! میں نے کبھی بھول کر بھی ——— اپنے خواب خیال تک میں ——— آپ کو سوائے "ایک دوسرے کی بیوی" کے اور کچھ نہیں سمجھا!

بیگم فرمان علی ۔ کیا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پہ ایمان رکھتے ہیں؟ کیا آپ حلفیہ یہ کہہ سکتے ہیں؟

پلینڈرز۔ ہیلن ——— !
بیگم قربان علی۔ انسان اپنے جذبات کتنی جلدی بھول جاتا ہے!
پلینڈرز۔ مگر میں ایسا نہیں۔ میں آپ کے لئے ویسا ہی ہوں جیسا پہلے تھا۔
بیگم قربان علی۔ ہاں، ہاں! اب گذرے ہوئے زمانہ کی باتوں کو چھوڑیئے ———
اب تو آپ کمیٹیوں اور اسی قسم کی خرافات میں چوبیس گھنٹے پھنسے رہتے ہیں،
اور میں یہاں تنہائی میں، اپنے اندر اور باہر والے بھوتوں سے مصروف جنگ
رہتی ہوں!
پلینڈرز۔ میں کم از کم آپ کے باہر والے، خارجی بھوتوں سے پیچھا چھڑانے میں آپ
کی مدد کر سکتا ہوں۔ آج آپ کی زبان سے اتنی ڈراؤنی باتیں سننے کے بعد،
میں ایک ہی بار مددگار رہے بس، جوان لڑکی کو آپ کے گھر میں نہیں رہنے
دے سکتا۔
بیگم قربان علی۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم اس کے لئے کچھ مستقل انتظام کر دیں
اور کسی اچھی جگہ اس کی شادی کرا دیں؟
پلینڈرز۔ بے شک، اس کے لئے یہی مناسب ہے۔ ریجینا اب اپنی عمر کے ایسے دور
سے گذر رہی ہے کہ ——— خیر، مجھے ایسی باتوں کے متعلق زیادہ
واقفیت نہیں، مگر ———
بیگم قربان علی۔ ریجینا تو دیکھتے ہی دیکھتے گلکٹی کی بیل کی طرح بڑھ گئی!

بلینڈرز۔ ہاں اجیب۔ Confirmation کے لئے میں نے اُسے گرجا میں دیکھا تھا تب بھی وہ جوان معلوم ہوتی تھی، اور اُس کا جسم کافی گداز اور بھرا بھرا تھا! لیکن فی الحال تو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے پاس جا کر رہے۔ مگر جوزف داس تو ——— یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ جوزف داس اس راز کو مجھ سے چھپائے گا!

(ہال کے دروازہ پر دستک سنائی دیتی ہے)

بیگم فرمان علی۔ کون ہے؛ اندر آجاؤ۔

(جوزف داس اتوار کو گرجا جانے کے لئے صاف ستھرے کپڑے پہنے اندر ——— داخل ہوتا ہے)

جوزف داس۔ بیگم صاحب، میں ماپھی (معافی) چاہتا ہوں، پر ———

بلینڈرز۔ (گلا صاف کرتے ہوئے) آخ۔ ہُوں!

بیگم فرمان علی۔ ارے تم ہو، جوزف داس!

جوزف داس۔ کوئی لونڈی دکھائی نی (نہ) پڑی۔ سو میں آپ ہی چلا آیا ———!

بیگم فرمان علی۔ کوئی حرج نہیں، جوزف۔ کیا تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے؟

جوزف داس۔ (آگے بڑھتے ہوئے) ہاں ——— نہیں ——— بیگم صاحب! میں ذرا پادری صاحب سے ———

بلینڈرز۔ (کمرہ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتے ہوئے) ہُوں ——— مجھ سے

تم مجھ سے بات کرنی چاہتے ہو ؟

جوزف داس۔ ہاں، حجوُر (حضور)۔

بلنڈرز۔ (ٹہلتے ٹہلتے کمرہ کے بیچ میں رک کر) کیا بات ہے ؟

جوزف داس۔ بات یو (یہ) ہے، پادری صاحب، اکَ (کہ) اب تو ہمیں بیگم صاحب کی دَیا سے مجوُری (مزدوری) بھی مِل گئی اور کام بھی سارا کھتم (ختم) ہو گیا! میں کہوں ہوں (کہتا ہوں) اکَ (کہ) ہم سارے کے سارے جنہوں نے ایمانداری سے کام کیا ہے ایک ساتھ عیسو مسیح کا شکر (شکر) کریں اور دعا مانگیں تو کیسا ؟

بلنڈرز۔ دُعا ؟ یتیم خانہ میں ؟

جوزف داس۔ ہاں، پادری صاحب، پر حجور (حضور) کی اِگیا (اجازت) ہو تو ——————

بلنڈرز۔ اوہ، ضرور، ضرور! مگر —————— انہوں!

جوزف داس۔ میری بھی رَوج (روز) سانج (شام) کو دُعا مانگنے کی عادت سی پڑ گئی ہے گی ——————

بیگم فرمان علی۔ اچھا ؟

جوزف داس۔ ہاں، بیگم صاحب جی، میں تو گنوار (جاہل) آدمی ہوں پر رَوج (روز) عیسو مسیح کو یاد کر لوں ہوں۔ اور آج تو پادری صاحب بھی یہیں ہیں گے !

جب ہی تو مجھے کھیال (خیال) آیا ——

بلینڈرز۔ جوزف! اِدھر دیکھو اور پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو۔ کیا تمہارا دماغ اتنا صحیح ہے کہ تم دُعا مانگ سکو؟ کیا تمہارا ضمیر آسودہ، آزاد، اور پاک ہے؟

جوزف واس ۔ ہے عیسو مسیح! دیا کرو! جمیر (ضمیر) تو میرا ایسا نہیں اَکٹ (کہ) پادری صاحب تُم (تم) اُس کا چکر (ذکر) کرو!

بلینڈرز۔ مگر ہمیں تو اُسی سے مطلب ہے میرے سوال کا جواب دو۔

جوزف واس ۔ جمیر (ضمیر)! میرا جمیر (ضمیر)؟ پادری صاحب، یو (یہ) کدھی کدھار (کبھی کبھار) ٹھیک نی (نہیں) رہتا!

بلینڈرز۔ تو تمہیں اِس کا اعتراف ہے۔ اب بتاؤ کہ ریجینا اور تم میں کیا رشتہ داری ہے، یا کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں؟ سچ بولو!

بیگم فرمان علی ۔ (چونک کر، جلدی سے) ہیں مسٹر بلینڈرز!

بلینڈرز ۔ (ہاتھ کے اشارے سے بیگم فرمان علی کو چپ رہنے کی تاکید کرتے ہوئے) آپ نہ بولئے!

جوزف واس ۔ ریجینا سے میرا کیا رشتہ (رشتہ) ہے! ہے عیسو مسیح! (بیگم فرمان علی کی طرف دیکھتے ہوئے) پادری صاحب، اجور (حضور) رجنی (ریجینا) تو سوہنی (اچھی) لونڈی ہے ——

بلیک ڈرز۔ مجھے امید تو یہی ہے کہ رکمنیا میں کوئی برائی نہیں۔ مگر میں تم سے یہ پوچھنا
چاہتا ہوں کہ تم میں اور رکمنیا میں کیا رشتہ داری ہے۔ تم اپنے آپ کو اس
کا باپ کہتے ہو۔ کیوں؟

جوزف داس۔ (لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں) ہاں ——— ہے علیہ وبیج! ———
جھوڑ تو رکمنیا کی بات جانیں ہیں (جانتے ہیں)!

بلیک ڈرز۔ سچ بات مت چھپاؤ۔ رکمنیا نے بیگم صاحب کے یہاں نوکری چھوڑنے سے پہلے
سب باتوں کا اقبال کر لیا تھا۔

جوزف داس۔ ارے رے رے! پادری صاحب! وا (وہ) لُو (یہ) کہ بیٹھی!

بلیک ڈرز۔ اب تو تم دیکھ رہے ہو کہ سچ بات کھل گئی!

جوزف داس۔ اس نے تو میرے سے کستم (قسم) کھائی تھی آک (کہ) وا (وہ) کسی
کو یو (یہ) بات نہ کہے گی ———

بلیک ڈرز۔ کیا اس نے قسم کھائی تھی؟

جوزف داس۔ نہیں۔ ہاں۔ لکھیر (خیر) کستم نہیں کھائی۔ پر وعدہ جہرور کیا تھا۔
پر لُگائی (عورت) کا وعدہ ایسا ہی ہووے ہے (ہوتا ہے)!

بلیک ڈرز۔ اور تم نے اتنے دنوں تک مجھ سے سچ بات چھپائی! ———
مجھ سے، اپنے پادری سے!

جوزف داس۔ ہاں، پادری صاحب، یو (یہ) گلتی (غلطی) تو میرے سے جہرور

(ضرور) ہوئی!

بلینڈرز۔ داس، کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہ تھا؟ کیا میں نے جہاں تک مجھ سے ہو سکا تمہاری ہر معاملہ میں مدد نہیں کی؟ جواب دو۔

جوزف داس۔ ہاں، پادری صاحب! جیور (حضور) نہ ہوتا تو میں بالکل تباہ ہو جاتا۔

بلینڈرز۔ اور اس کا بدلہ تم نے مجھے یہ دیا ——— کہ جھوٹ بول کر گرجا کے رجسٹر میں مجھ سے غلط اندراجات کرا دیئے اور پھر اس کے بعد برسوں تک تم مجھ سے وہ بات چھپاتے رہے جو تم کو اوّل دن ہی مجھے بتا دینی چاہئے تھی۔ تمہیں بالکل معاف نہیں کیا جا سکتا۔ داس آج سے تم میں اور مجھ میں کوئی تعلق نہیں۔

جوزف داس (آہ کھینچتے ہوئے) ہاں، جیور (حضور)، یو (یہ) میری اپنی ہی کرنی ہے!

بلینڈرز۔ بے شک، تم خود اپنے اس فعل کے ذمہ دار ہو۔ تم کوئی جواز پیش نہیں کر سکتے!

جوزف داس۔ پر، پادری صاحب، میرے سے اس بے چاری کا دکھ نہ دیکھا گیا وا (وہ) جو اپنی رام کہانی سناون لگتی (سنانے لگتی) تو اس کے گناہ کا بوجھ اور بڑھ جاتا! جیور ایسی حالت میں ہوتے تو ———

بلینڈرز۔ میں! کس کمینے کی حالت میں!

جوزف داس۔ جیور (حضور)، میرا یو (یہ) مطبل (مطلب) نہیں۔ میرا مطبل یو ہے اک آپ کے سنگ کوئی ایسی بات ہو جاتی اک جس سے جیور کو سرم (شرم) آتی۔

——— پادری صاحب، بیر بھانیوں (عورتوں) پہ تو سکھنی (سختی) نہ ہونی چاہیئے۔

بلینڈرز۔ مگر میں کسی عورت پر سختی تو نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو تم کو الزام دے رہا ہوں۔

جوزف داس۔ سرکار، میں ایک بات پوچھوں؟

بلینڈرز۔ پوچھو۔

جوزف داس۔ جو کوئی کسی دکھی بیر بھانی (عورت) کی امداد (مدد) کرے تو کیسا ہے؟ آپ اُسے اچھا کہینگے؟

بلینڈرز۔ ضرور اچھا کہوں گا۔

جوزف داس۔ اور کیا ایک مرد (مرد) کو یو (یہ) نہ چاہیئے آکہ (کہ) وا (وہ) اپنا کول کرار (قول قرار) پورا کرے؟

بلینڈرز۔ ضرور چاہیئے ——— مگر

جوزف داس۔ جب (جب) رکمنیا کو اُس گورے (انگریز سپاہی) نے یا جو کوئی بھی وا (وہ) تھا دکھیوں میں ڈال دیا تو وا (وہ) سہر (شہر) میں میرے پاس آئی۔ اُس نے کتی (کتنی) دبے (دفعہ) میرے ساتھ بیاہ کرنے کو "نا" کر دی تھی۔ (انکار کر دیا تھا)۔ وا (وہ) بڑی سندر رہی تھی۔ کبسورت (خوبصورت) ہٹا کٹا، کھاٹا (مضبوط) جوان ڈھونڈے تھی۔ اور میری ٹانگ لنگڑی تھی۔ پادری صاحب،

آپ نوجوانیں ہیں (جانتے ہیں) آگ میں ایک ناچ گھر میں جہاں صاحب لوگ سراب (شراب) پی کر نسہ (نشہ) میں ناچ رہے تھے چلا گیا تھا اور انہیں پاپ سے روکا تھا تو انہوں نے ——————

بیگم فرمان علی - (کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی کھانستی ہے) اخ - ہم!

بلینڈرز - مجھے سب کچھ معلوم ہے، داس —— اُن وحشی جانوروں نے تمہیں سیڑھیوں پر سے دھکیل کر نیچے گرا دیا تھا - تم مجھ سے پہلے بھی اس کا ذکر کر چکے ہو - تمہاری ٹانگ کا لنگ تمہارے لئے باعث فخر ہے!

جوزف داس - میں اپنی تاریپھ (تعریف) نہیں چاہتا - ہاں پو (پر) کہوں ہوں (کہتا ہوں) اک (کہ) رکمنیا جب میرے دھورے (نزدیک) آئی - اور رو رو کر اپنی بپتا مجھے سنائی تو مجھے بہت دکھ ہوا!

بلینڈرز - کیا واقعی تمہارے دل پر بہت اثر ہوا تھا؟ اچھا آگے کہو -

جوزف داس - میں نے رکمنیا سے کہہ دیا: اری رکمنیا! وا (وہ) گورا تو بدلسی (بدمعاشی) کرکے سمندر پار چلا گیا ہوگا پر تو کھوئی گئی اور کہیں کی نہ رہی! تو نے بڑا پاپ کیا ہے اور اب جات (ذات) باہر ہو گئی ——————

دیکھ تو جبتک داس ابھی جیوے ہے (جیتا ہے)! تو پھکر (فکر) نہ کر -

بلینڈرز - اب میں سمجھا - اور سناؤ کیا ہوا؟

جوزف داس - بس حجور (حضور) میں نے اپنی رکمنیا کو ڈھکے دل سے بچا لیا اور اس

سے بیاہ کر لیا۔ اس میں یو (یہ) بھید تھا اک (کہ) کسی کو یو (یہ) پتہ نہ چلے اک
(کہ) اُس گورے سے اُس کا میل تھا۔

بلینڈرز۔ یہ تو تم نے بہت رحم دلی کا کام کیا۔ مگر اس بات کا تمہارے پاس کیا
جواب ہے کہ تم نے رکمنیا سے اُس کا روپیہ لیا۔

جوزف داس۔ روپیہ! میں نے لیا؟ نہیں، پادری صاحب، میں نے کدھی
(کبھی)، ایک پیسہ اُس سے نہیں لیا۔

بلینڈرز۔ (بیگم فرمان علی کی طرف دیکھتے ہوئے سوالیہ لہجہ میں) مگر ــــــ؟

جوزف داس۔ ہاں، حجور (حضور)! مجھے یاد آ گیا۔ رُکمنیا نے میرے سے کہا تھا اک
(کہ) وہ گورا اپھسر (افسر) اُسے کچھ روپے دے گیا تھا۔ پر میں تو اس کے جکر
(ذکر) سے ہی گھبراؤں تھا۔ میں نے تو رکمنیا سے کہہ دیا تھا:۔

،،لانت (لعنت) ایسے روپے پا (پہ) ــــــ ارے! یہ تو تیرے
باپ کے دام ہیں۔ اُنہیں اُسی گورے کے منہ پہ مار دے! پُر وا (وہ)
گورا اپنی رَجمنٹ (رجمنٹ) کے سنگ نہ جانے کہاں چلا گیا تھا!

بلینڈرز۔ تو ٹھیک ہے! یہ تھا اصل واقعہ؟

جوزف داس۔ ہاں، حجور (حضور)! میں نے رکمنیا سے کہہ دیا تھا اک (کہ) وا
(وہ) روپیہ اُس بچے پر اُٹھے گا جو اُس کے پیٹ میں تھا۔ اور حجور (حضور)
ہم نے یو (یہ) ہی کیا (ایسا ہی کیا)۔ میں پائی پائی کا حساب دے سکتا ہوں

(دے سکتا ہوں)

بلینڈرز۔ یہ انکشاف تو صورتِ حالات کو بالکل بدل دیتا ہے!

جوزف داس۔ میں نے سچی بات بتا دی! اور حجور (حضور) جہاں تلک میرے سے ہو سکا میں نے رجی (ربیکا) کا باپ کی طرح کھیال (خیال) رکھا! اور حجور (حضور) میں تو ایک پاپی، گریب (غریب) آدمی ہوں۔

بلینڈرز۔ جوزف: تم پاپی نہیں۔ تم بڑے اچھے آدمی ہو ______

جوزف داس۔ اور حجور (حضور) میں نے ربکیا کو بھی سکھی ہی رکھا، جیسا عیسو مسیح نے بتایا ہے۔ پر مجھے کبھو لے سے بھی کبھی یو (یہ) دھیان نی (نہیں) آیا اک (کہ) ڈینگ مارن لگوں (مارنے لگوں) اک میں نے کوئی اچھا کام کیا۔ پادری صاحب، جوزف داس ایسا کام کرکے ڈھنڈورہ نی (نہیں) پیٹتا پھرتا! پر رونا تو یو (یہ) ہے اک میرے سے جیادے (زیادہ) کام اچھے نی (نہیں) ہوتے! اور حجور (حضور) جب میں آپ کے دھورے (پاس) آؤں ہوں تو اپنے پاپوں ہی کا جکر (ذکر) کرتا آؤں ہوں! پر یا (یہ) بات جرور (ضرور) کہوں گا اک یو (یہ) جو جمیر (ضمیر) ہو ہے یو (یہ) بڑا دکھ دے ہے۔

بلینڈرز۔ جوزف، لاؤ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔

جوزف داس۔ ارے حجور (حضور)! میں پاپی، گنہگار ______

بلینڈرز۔ نہیں۔ (جوزف داس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے) تم بہت نیک آدمی ہو۔
جوزف داس۔ پادری صاحب میں ماپھی (معافی) مانگوں ہوں (مانگتا ہوں) اک (کہ) میں نے سچی بات چھپا کے رکھی۔
بلینڈرز۔ نہیں نہیں! مجھے تم سے معافی مانگنی چاہیئے کہ میں نے تم کو غلط سمجھا۔
جوزف داس۔ ارے! حجور (حضور) نہیں! ایسی بات نہ کہو۔
بلینڈرز۔ نہیں، جوزف، میں تم سے سچے دل سے معافی مانگتا ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے تمہارے بارہ میں غلط خیال قائم کرنے کا بہت رنج ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے تم جو کہو میں کرنے کو تیار ہوں ——————
جوزف داس۔ ہیں! حجور (حضور) آپ وعدہ کریں ہیں (کرتے ہیں)؟
بلینڈرز۔ ہاں، بڑی خوشی سے۔
جوزف داس۔ تو، حجور (حضور) آپ میری ابھی مدد کرو۔ میں نے یہاں کام کر کے جو روپیہ جوڑا ہے اس سے چھاونی میں ایک سپاہیوں کا ہوٹل کھولنا چاہوں ہوں۔ (چاہتا ہوں)!
بیگم فرمان علی۔ تم سپاہیوں کے لئے ہوٹل کھولو گے؟
جوزف داس۔ ہاں، بیگم صاحب! میرے ہوٹل میں کوئی پاپ نہ ہوگا۔ لڑنے مرنے والے سپاہی لوگ جب کھالی (کام سے فارغ) ہوں ہیں تو انہیں ہر طرح کا پاپ اچھا لگے ہے (لگتا ہے)۔ یہ میرے جی میں تو بود (رہ) بات

اک (کہ) اپنے ہوٹل میں اُنہیں باپ سے بچاؤں اور بچوں کی طرح اُن کی دیکھ بھال کروں۔

بلینڈرز۔ بیگم صاحب، اس تجویز کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

جوزف داس۔ ایسا ہوٹل کھولنے کو میرے پاس کافی (کافی) روپے نہیں، یہ عیسوی مسیح پر بیشواس ہے اک (کہ) نیک بھلے مانسوں نے میری مدد کی تو

بلینڈرز۔ بالکل ٹھیک سوچا ہے تم نے۔ میں تم سے پھر اس پر مفصل گفتگو کروں گا۔ مجھے تمہاری تجویز بہت پسند ہے۔ اچھا تم ذرا تیم خانہ میں جا کر سب چیزیں ٹھیک کر دو اور روشنیاں جلا دو، پھر ہم وہاں سب مل کر دُعا مانگیں گے اور اپنی رُوحوں کو پاک کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ تم بالکل پاک صاف اور دُعا مانگنے کے قابل ہو۔

جوزف داس۔ اچھا حجور (حضور)! بیگم صاحب، آپ نے بڑی دیا کی جو مجھے بھیتر (اندر) بلا لیا، اور رحمتی کہ تو آپ نے آدمی بنا دیا (آنکھ سے آنسو پونچھتا ہے) رکمنیا کی لونڈی (بچّی)! —————— نہ جانے مجھے اُس پر کیوں پیار آ رہا ہے!

(جوزف داس جھک کر سلام کرتا ہے اور چلا جاتا ہے)

بلینڈرز۔ بیگم صاحبہ، اب آپ کا داس کے متعلق کیا خیال ہے؟ اُس نے تو حقیقت

بیان کر کے ہماری آنکھیں کھول دیں!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، واقعہ تو یہی ہے۔

بلینڈرز۔ دیکھئے، اب تو آپ نے دیکھ لیا کہ دوسروں کو برا سمجھتے وقت ہمیں کتنا محتاط ہونا چاہیئے۔ یہ معلوم کر کے کہ ایک شخص کے متعلق ہمارے بُرے خیالات اور شکوک اور بدگمانیاں غلط تھیں بڑی خوشی ہوتی ہے۔

بیگم فرمان علی۔ میرا خیال ہے کہ آپ ابھی تک بالکل بچے ہیں اور ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے!

بلینڈرز۔ ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ (بلینڈرز کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) اور اس وقت میرا جی بے اختیار چاہ رہا ہے کہ آپ کو گلے سے لپٹا لوں!

بلینڈرز۔ (پیچھے ہٹتے ہوئے، گھبرا کر) نہیں، نہیں! او خدا! آپ بھی کیسی باتیں سوچا کرتی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ اچھا، اچھا! آپ مجھ سے ڈریئے مت۔

بلینڈرز (میز کے پاس کھڑے ہوئے) آپ اپنے محسوسات کا اظہار بعض وقت ایسے پیرایہ میں کرتی ہیں جو حد درجہ جذباتی اور عنایت آمیز ہوتا ہے! اچھا، میں ان کاغذات کو بیگ میں رکھ لوں۔ (کاغذات لپیٹ کر بیگ میں رکھتا ہے) اب میں کچھ دیر کے لئے آپ سے رخصت چاہتا ہوں۔ جب آسولڈ لوٹے تو

آپ اچھی طرح اُس کے افعال پر نظر رکھئے گا۔ میں تھوڑی دیر میں پھر آؤں گا۔

(ہینڈرز اپنا ہیٹ اٹھا کر ہال کے دروازہ سے باہر جاتا ہے۔ بیگم فرمان علی ایک طویل ٹھنڈی سانس کھینچتی ہے اور کھڑکی کے باہر دیکھتی ہے۔ پھر کمرہ کی دو تین چیزوں کو جھاڑ پونچھ کر سلیقہ سے رکھتی ہے اور کھانے کے کمرہ میں جانے کے لئے مڑتی ہے مگر دروازہ ہی میں اپنی چیخ کو دباتے ہوئے رُک جاتی ہے۔)

بیگم فرمان علی۔ آسو لڈ! تم ابھی تک یہیں کھانے کی میز کے پاس ہی بیٹھے ہو؟

آسو لڈ (کھانے کے کمرہ کے اندر سے بولتا ہے) ہاں، ابھی تک میرا سگار ختم نہیں ہوا۔

بیگم فرمان علی۔ مگر میرا تو خیال تھا کہ تم ٹہلنے کے لئے باہر جا چکے ہو!

آسو لڈ (کھانے کے کمرہ ہی میں بیٹھے بیٹھے) ایسے موسم میں؟ (ایک گلاس کے میز سے ٹکرانے کی آواز آتی ہے۔ بیگم فرمان علی دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیتی ہے اور کھڑکی کے پاس اپنا سلائی کا سامان لے کر بیٹھ جاتی ہے) کیا مسٹر ہینڈرز ابھی باہر گئے ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں، وہ یتیم خانہ گئے ہیں۔

آسو لڈ۔ اوہ! (ایک بوتل کے گلاس سے ٹکرانے کی آواز آتی ہے)

بیگم فرمان علی۔ (جس کے چہرہ پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہیں) پیارے آسو لڈ۔ یہ شراب بہت تیز ہے تمہیں زیادہ نہ پینی چاہئے۔

آسو لڈ۔ برسات میں یہ مفید ہے۔

بیگم فرمان علی۔ آؤ تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس یہاں آ کے بیٹھو۔

آسولڈ۔ مگر آپ میرا سگار پینا پسند نہ کریں گی۔
بیگم فرمان علی۔ اچھا، تم اپنا سگار پیتے رہنا، آؤ، میرے پاس آؤ۔
آسولڈ۔ بہت اچھا، آتا ہوں۔ گلاس میں تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے ختم کر لوں
(گلاس اٹھا کر غٹ غٹ پی جاتا ہے) ہو گئی ختم! (سگار پیتا ہوا اندر داخل
ہوتا ہے اور اپنے پیچھے دروازہ بھیڑ دیتا ہے۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہتی ہے) یہ پادری
صاحب کہاں گئے؟
بیگم فرمان علی۔ میں نے ابھی تو بتایا تھا کہ یتیم خانہ تک گئے ہیں!
آسولڈ۔ ارے ہاں! آپ نے بتایا تو تھا۔
بیگم فرمان علی۔ آسولڈ کھانا کھا چکنے کے بعد اتنی دیر تک تم کو کھانے کی میز کے
پاس نہ بیٹھنا چاہیئے۔
آسولڈ۔ (سگار کو اپنی پشت کی جانب ہاتھ میں لئے ہوئے) مگر، پیاری اماں، یہاں
بیٹھا رہنا اتنا آرام دہ معلوم ہوتا ہے! (ایک ہاتھ سے بیگم فرمان علی کی پیٹھ پیار
سے تھپتھپاتا ہے) کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ گھر واپس آجانا میرے لئے کتنا
دل خوش کن ہے اور کیا معنی رکھتا ہے ——— اپنی ماں کے
پاس رہنا جو مجھے مزیدار کھانے کھلاتی ہے!
بیگم فرمان علی۔ میرا اپنا، لاڈلا بچہ!
آسولڈ۔ (مضطرب ہو کر کمرہ میں ادھر ادھر چکر لگاتا ہے اور سگار پیتا رہتا ہے) اس کے

علاوہ اور میں یہاں کر ہی کیا سکتا ہوں؟ میرا کوئی مشغلہ نہیں ——

بیگم فرمان علی۔ کوئی مشغلہ نہیں؟

آسو لٹ۔ ہاں، اِس گندے موسم میں کیا مشغلہ ہو سکتا ہے؟ دن بھر سورج کی ایک کرن بھی دکھائی نہیں دیتی! (کمرہ میں اِدھر اُدھر چکر لگاتا ہے) مجھ سے اب کام نہیں ہوتا —— کوئی کام بھی نہیں ہوتا!

بیگم فرمان علی۔ میرے خیال میں تمہارا گھر آنا اچھا تھا بہت نہ ہوا۔

آسو لٹ۔ ہاں، اماں، آپ ٹھیک کہتی ہیں، مگر میں گھر واپس آنے پر مجبور تھا۔

بیگم فرمان علی۔ میں تمہارے آرام اور خوشی پر اپنی اُس خوشی کو قربان کر سکتی ہوں۔ جو مجھے تمہارے یہاں رہنے سے ہوتی ہے، مگر میں یہ نہیں دیکھ سکتی کہ تم ——

آسو لٹ (میز کے پاس ساکت کھڑا ہو کر) اماں، کیا میرے گھر لوٹ آنے اور تمہارے پاس رہنے سے تمہیں واقعی بہت خوشی ہوتی ہے؟

بیگم فرمان علی۔ یہ بھی پوچھنے کی بات ہے؟

آسو لٹ۔ (ایک اخبار کو مٹھی میں دبا کر مروڑتے ہوئے) میرا تو خیال تھا کہ میں یہاں رہوں یا کہیں اور تم سے دور رہوں، تمہارے لئے ایک ہی سی بات ہے!

بیگم فرمان علی۔ اپنی ماں سے تم ایسی بے رحمی کی بات کیونکر کہہ سکتے ہو؟

آسو لٹ۔ لیکن میرے بغیر بھی تو اب تک آپ یہاں خوش ہی رہی ہیں!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، یہ سچ ہے کہ میں تمہارے بغیر یہاں رہتی رہی ——

(خاموشی۔ اندھیرا بتدریج بڑھتا جاتا ہے۔ آسو لٹہ بے چین ہو کر کمرے میں ادھر اُدھر چکّر لگاتا ہے۔ اس نے اپنا سگار ایک طرف رکھ دیا ہے)

آسو لٹہ (بیگم فرمان علی کے پاس آکر) امّاں، میں آپ کے پاس کوچ پر بیٹھ جاؤں۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، ہاں ضرور بیٹھو، بیٹے۔

آسو لٹہ (بیٹھ جاتا ہے) اچھا تو اماں، اب میری ایک بات سنو۔

بیگم فرمان علی۔ (ذرا پریشان ہو کر) کیا؟

آسو لٹہ۔ (اپنے سامنے کی چیزوں کو گھورتے ہوئے) مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتا!

بیگم فرمان علی۔ کیا برداشت نہیں ہوتا، میرے لال؟ کیا بات ہے؟

آسو لٹہ۔ (اسی طرح پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے کی طرف گھورتے ہوئے) میری ہمّت نہ پڑی کہ آپ کو لکھ کر سب حال بتا دوں۔ اور جب سے میں یہاں آیا ہوں ——

بیگم فرمان علی (آسو لٹہ کا بازو تھامتے ہوئے) آسو لٹہ! میرے بچّے! کیا بات ہے؟ مجھے بتاؤ۔

آسو لٹہ۔ کل اور آج، دونوں دن، میں نے اسی کوشش میں گذارے ہیں۔ کہ اُن خیالات سے اپنا پیچھا چھڑاؤں جو بلا کی طرح مجھ پر پلے پڑتے ہیں، مگر میں اُن سے بچ نہیں سکتا!

بیگم فرمان علی (کھڑی ہو جاتی ہے) صاف صاف کہو، آسو لٹہ۔ کیا بات ہے؟

آسو لٹہ۔ (بیگم فرمان علی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہے اور پھر اپنے پاس بٹھا لیتا ہے) تم یہاں جب پچا

بیٹھو تو میں بتانے کی کوشش کروں میں اس سفر میں بہت تھک گیا ہوں مگر ——

بیگم فرمان علی۔ اچھا کچھ کہو تو سہی!

آسو لڈ۔ مگر یہ سفر کی تھکن نہیں۔ وہ تو دور ہو گئی —— اوہ، یہ کوئی معمولی تھکن نہیں ——

بیگم فرمان علی۔ (اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے) تم بیمار تو نہیں ہو، آسو لڈ؟

آسو لڈ۔ (بیگم فرمان علی کو کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیتا ہے) اماں، چپ چاپ بیٹھی رہو اور جو کچھ میں کہوں اسے خاموشی سے سنو۔ میں بیمار نہیں، کم از کم ویسا بیمار نہیں جیسا تم سمجھتی ہو کہ ایک آدمی کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے (اپنا سر ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے) یہ میرا دماغ ہے جو جواب دے گیا ہے۔ پاش پاش ہو گیا ہے — میں اب دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتا! (دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے اور بیگم فرمان علی کی گود میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے)

بیگم فرمان علی (زرد ہو جاتی ہے اور کانپنے لگتی ہے) آسو لڈ! میری طرف دیکھو۔ نہیں نہیں، یہ سچ نہیں ہے!

آسو لڈ۔ (متواتر پیدا ہٹا کر گھبرائے ہوئے انداز میں کہتا ہے) میں اب اپنا کام نہ کر سکوں گا۔

کبھی نہ کر سکوں گا! آہ! یہ زندگی تو موت سے بدتر ہے! امّاں، اس سے
بڑی کوئی مصیبت نہیں!

بیگم قربان علی۔ میرے لال، میرے پیارے، یہ کیسے ہوا؟

آسو لٹھ۔ (اٹھ کر بیٹھتے ہوئے) یہی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ میں نے کبھی کسی
قسم کی کوئی خراب حرکت نہیں کی۔ امّاں، میں کبھی کسی عورت سے نہیں ملا۔
آپ یقین کیجئے، میں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا۔

بیگم قربان علی۔ میرے بچّے، مجھے تمہارے کہنے کا پورا یقین ہے۔

آسو لٹھ۔ تو پھر بھی مجھے یہ خطرناک مرض لگ گیا ــــــــ

بیگم قربان علی۔ (دھیمی آواز میں) اوہ، آسو لٹھ، تم متفکر نہ ہو، تم پھر اچھے ہو جاؤ گے
زیادہ دماغی محنت کرنے سے ایسا ہو گیا ہے۔ تم یقین مانو، یہی وجہ ہے۔

آسو لٹھ۔ پہلے مجھے بھی یہی خیال تھا۔ مگر یہ غلط ہے۔

بیگم قربان علی۔ مجھے شروع سے آخر تک پوری بات بتاؤ۔

آسو لٹھ۔ ہاں، بتاتا ہوں۔

بیگم قربان علی۔ تم نے سب سے پہلے یہ کب محسوس کیا کہ تمہارا دماغ کام سے جاتا رہا
اور جواب دے رہا ہے؟

آسو لٹھ۔ پچھلی بار جب میں گھر آیا تھا اور پھر رنگون لوٹا تھا تو اس وقت میرے سر
میں بہت سخت درد رہنے لگا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ میں کبھی ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ میری گردن سے اوپر کی طرف کوئی لوہے کی کیل ٹھونک رہا ہے!

بیگم فرمان علی۔ پھر کیا ہوا؟

آسولڈ۔ پہلے تو میں نے سمجھا کہ جیسا بچپن میں میرے سر میں درد ہو جایا کرتا تھا۔ ویسا ہی درد یہ بھی ہے ——

بیگم فرمان علی۔ ہاں ہاں بچپن میں تمہارے سر میں بہت درد رہتا تھا۔

آسولڈ۔ مگر یہ ویسا درد نہ تھا۔ مجھے جلدی ہی معلوم ہو گیا۔ مجھ سے کسی کام میں جی نہ لگایا جاتا تھا۔ میں کوئی نئی تصویر بنانے کی کوشش کرتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا میری تمام صلاحیتیں مجھ سے چھین لی گئی ہیں اور میری دماغی قوتیں شل ہو گئی ہیں۔ میں اپنے خیالات کو مجتمع نہ کر سکتا تھا —— ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میرا سر چکر کھا رہا ہے —— ہر چیز گھومتی ہوئی نظر آتی تھی یہ بڑا بھیانک تجربہ تھا۔ آخر کار میں نے ایک ڈاکٹر سے مشورہ لیا اور اس نے مجھے بتایا کہ یہ جنون کی بیماری ہے!

بیگم فرمان علی۔ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا! وہ گدھا ڈاکٹر یہ کیسے جان گیا کہ یہ جنون کی حالت ہے؟

آسولڈ۔ اماں، وہ بڑا مشہور اور اپنے فن کا ماہر ڈاکٹر تھا۔ وہ غلطی نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھ سے کہا "اپنے حسب سابق بیان کرو"۔ اور پھر اس نے لاتعداد سوالات مجھ سے ان باتوں کے متعلق کر ڈالے جن کا اس بیماری سے دور کا

بھی واسطہ نہ تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایسی بے سروپا باتیں کیوں کہہ رہا تھا —— !

بیگم فرمان علی۔ اچھا، پھر اُس نے کہا کیا؟۔

آسولڈ۔ مجھے خوب اچھی طرح دیکھ بھال کر اُس نے کہا کہ اس بیماری کے جراثیم میرے اندر پیدائش ہی سے موجود تھے۔

بیگم فرمان علی۔ (گھبرا کر) اس سے اس کا کیا مطلب تھا؟

آسولڈ۔ میری سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا، اور میں نے بھی اُس سے دوبارہ پوچھا تھا تو اُس بڈھے سنکی نے کہا —— (اپنی مٹھیاں زور سے بھینچ لیتا ہے) اوہ ! ——

بیگم فرمان علی۔ اُس نے کیا بتایا تھا؟

آسولڈ۔ اس نے کہا :۔ باپوں کے گناہوں کی سزا معصوم اولاد کو بھگتنی پڑتی ہے !"

بیگم فرمان علی۔ (آہستہ آہستہ اٹھتے ہوئے) باپوں کے گناہ —— !

آسولڈ۔ میں نے قریب قریب اُس بڈھے کے منہ پر طمانچہ ——

بیگم فرمان علی۔ (کمرہ میں ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے) باپوں کے گناہ —— !

آسولڈ۔ (رنجیدہ انداز میں مسکراتے ہوئے) ہاں، اماں، ذرا سوچئے تو سہی ! وہ بڈھا

ڈاکٹر کیسی نامناسب بات کہہ کر میرے والد ماجد کی تحقیر کر رہا تھا! میں نے اُس کی تردید کی اور اُسے یقین دلایا کہ اُس کا خیال بالکل غلط تھا۔ مگر اُسے بھلا کہاں یقین آنے والا تھا! وہ اپنی رائے پر اڑا رہا۔ مگر جب میں نے آپ کے خطوط اُسے دکھائے اور وہ جملے پڑھ کر سنائے جو آپ نے ابّا جان کے متعلق لکھے تھے ——

بیگم فرمان علی۔ تو پھر اس نے کیا کہا؟

آسولڈ۔ پھر تو اُسے قائل ہو جانا پڑا کہ وہ غلطی پر تھا۔ اور تب اُس نے مجھے اس بیماری کی ایک اور وجہ بتائی۔ اُس نے کہا کہ مجھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ خوشی اور بے فکری کی زندگی بسر نہ کرنی چاہیے تھی کیونکہ میرا کمزور دماغ اس کا متحمل نہ ہو سکا —— تو، امّاں، یہ میری اپنی ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔

بیگم فرمان علی۔ نہیں، نہیں، آسولڈ، ایسی باتوں کا یقین نہ کرو۔

آسولڈ۔ اِس کے علاوہ اور کوئی وجہ اس بیماری کی معلوم نہیں ہو سکی۔ یہی تو میرے لئے سب سے زیادہ ناقابلِ برداشت بات ہے کہ میری اپنی کم عقلی اور ناعاقبت اندیشی سے میری ساری زندگی تباہ ہو گئی! میں دنیا میں کیا کچھ نہ کرنا چاہتا تھا! —— اور اب تو میں اُن باتوں کو سوچنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا! کاش کہ میں اپنی زندگی ازسرِنو شروع کر سکتا اور یہ غلطی مجھ سے نا سمجھی میں ہو چکی ہے اُس کا ازالہ کیا جا سکتا! (منہ کے بل کوچ پہ گر پڑتا ہے۔ بیگم فرمان علی بےبسی کے

عالم میں اپنے ہاتھ ملتی ہے اور خاموشی سے اپنے آپ سے جنگ کرتے ہوئے کمرہ میں ادھر ادھر پھرتی ہے) کاش یہ بلا مجھے ورثہ ہی میں ملی ہوتی ——— اس کی کوئی وجہ تو ایسی ہوتی جس کا ذمہ دار مجھے نہ ٹھہرایا جا سکتا! مجھے تو یہ خیال مارے ڈالتا ہے کہ میں نے خود ہی اپنی بیوقوفی اور ناسمجھی سے اپنی خوشی، تندرستی، اپنا مستقبل، اپنی زندگی، امنگیں، آرزوئیں، ارمان، دنیا کی ہر چیز کا خاتمہ کیا ہے۔

بیگم فرمان علی۔ نہیں، نہیں، میرے پیارے بچے، یہ سب غلط ہے، ناممکن ہے! (اس پر جھکتے ہوئے) اتنے زیادہ مایوس نہ ہو جاؤ۔

آسولڈ۔ اوہ، اماں، آپ نہیں جانتیں! ——— (اچھل پڑتا ہے) سوچئے تو کیا تکلیف دہ خیال ہے کہ میں خود ہی اپنی تمام مصیبتوں کا باعث ہوا ہوں میں نے اکثر یہ خواہش کی ہے کہ آپ مجھ سے بالکل محبت نہ کریں اور میری کوئی پرواہ نہ کریں۔

بیگم فرمان علی۔ آسولڈ! میرے اکلوتے بیٹے! تم ہی تو میرے لئے دنیا میں سب کچھ ہو!

آسولڈ۔ (بیگم فرمان علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بوسہ دیتے ہوئے) ہاں، ہاں، میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے بے حد محبت کرتی ہیں۔ گھر آ کر یہ خیال اور زیادہ تقویت پاتا ہے اور میرے لئے اور بھی ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ لیکن، اب تو

آپ میری حالت جان گئی ہیں! میں اب آپ سے اس بات کا ذکر نہ کروں گا —
——— میں زیادہ دیر تک اپنی بیماری کے متعلق سوچنے کی تاب نہیں لا
سکتا! (کمرہ میں ایک طرف سے دوسری طرف جاتا ہے) اماں، مجھے کچھ پینے کے
لئے دیجئے ———

بیگم فرمان علی - پینے کے لئے؟ کیا دوں، بیٹے؟ ———
آسولڈ - جو آپ کا جی چاہے - گھر میں کچھ "پنچ" (Punch) ہو گی؟
بیگم فرمان علی - ہاں، ہے تو ——— مگر، پیارے آسولڈ! ———
آسولڈ - اماں، مجھے کسی بات سے روکئے مت! میری اچھی اماں، مجھے کوئی ایسی
چیز چاہئے جسے پی کر میں اپنے ڈراؤنے خیالات بھول جاؤں - (عقبی کمرے
کی طرف جاتا ہے) ارے، یہاں کتنا اندھیرا ہے! دل بیٹھا جاتا ہے! (بیگم
فرمان علی گھنٹی بجاتی ہے) اور یہ مسلسل بارش کا تانتا! ہفتوں اسی طرح
جاری رہے گا۔ سورج کی ایک کرن بھی دکھائی نہیں پڑتی! مجھے یاد نہیں کہ
اس گھر میں مجھے ایک بار بھی سورج کی کوئی کرن دکھائی پڑی ہے۔
بیگم فرمان علی - آسولڈ، کیا تم پھر یہاں سے چلے جانے کو سوچ رہے ہو؟
آسولڈ - ہوں! (لمبی سانس کھینچتا ہے) - میں کچھ نہیں سوچ رہا! میں کچھ سوچ ہی
نہیں سکتا! (دبی زبان سے) سوچنے کی عادت تو مجھے چھوڑ ہی دینی پڑ گئی!
ریجینا - (کھانے کے کمرہ سے آتے ہوئے) بیگم صاحب، کیا آپ نے گھنٹی بجائی تھی؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں لیمپ روشن کر کے یہاں لے آؤ۔
ریجینا۔ ابھی لائی، بیگم صاحب، میں نے پہلے ہی سے جلا رکھا ہے! (ریجینا باہر
جاتی ہے)
بیگم فرمان علی۔ (آسولڈ کے پاس جاتے ہوئے) آسولڈ، مجھ سے کوئی بات نہ
چھپاؤ۔
آسولڈ۔ نہیں، میں تو کوئی بات آپ سے نہیں چھپاتا۔ (میز کے پاس جاتا ہے) میں تو
سمجھتا ہوں کہ میں نے آپ کو بہت کچھ بتا دیا ہے۔
(ریجینا ایک لیمپ لاتی ہے اور میز پر رکھ دیتی ہے)
بیگم فرمان علی۔ ریجینا، ایک چھوٹی بوتل شامپین (شراب) کی اٹھا لاؤ۔
ریجینا۔ بہت اچھا، بیگم صاحب (باہر جاتی ہے)
آسولڈ۔ (بیگم فرمان علی کے چہرہ کو اپنے ہاتھ سے تھپتھپاتے ہوئے) یہ ٹھیک ہے،
میں جانتا تھا کہ میری اماں مجھے پیاسا نہ رہنے دیں گی!
بیگم فرمان علی۔ میرے پیارے بچے، تمہاری ایسی حالت میں میں کس طرح کسی
چیز سے تم کو انکار کر سکتی ہوں؟
آسولڈ۔ (اشتیاق بھرے لہجہ میں) اماں، کیا سچ مچ آپ مجھ سے کسی چیز کے لئے
بھی انکار نہیں کر سکتیں؟ آپ کا واقعی یہی مطلب ہے؟

بیگم فرمان علی۔ میرے پیارے بچے

آسولڈ۔ ہش ش ش!
(ریجینا ایک کشتی میں شامپین کی ایک چھوٹی بوتل اور دو گلاس لگا کر لاتی ہے
اور میز پر رکھ دیتی ہے)

ریجینا۔ بوتل کھول دوں؟
آسولڈ۔ نہیں شکریہ میں کھول لوں گا ـــــــــــــــــ

(ریجینا باہر چلی جاتی ہے)
بیگم فرمان علی۔ (میز کے پاس بیٹھے ہوئے) میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی! تم پوچھ
رہے تھے کہ کیا میں تم سے کسی بات کو انکار کر سکتی ہوں؟
آسولڈ۔ (بوتل کھولنے میں مصروف ہے) پہلے ایک دو گلاس پی لیں! (کاگ کھول کر
پہلے ایک گلاس میں انڈیلتا ہے۔ پھر دوسرا گلاس بھرنا چاہتا ہے)
بیگم فرمان علی۔ (دوسرے گلاس پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے) نہیں ـــــــ میرے
لئے نہیں چاہئے۔
آسولڈ۔ اچھا، تو پھر میں اکیلا ہی پیوں گا! (وہ اپنا گلاس غٹ غٹ چڑھا جاتا ہے۔
پھر دوبارہ گلاس بھرتا ہے اور وہ بھی خالی کر دیتا ہے۔ اس کے بعد میز کے پاس
بیٹھ جاتا ہے)
بیگم فرمان علی۔ (امید و بیم کے لہجہ میں) اچھا، اب بتاؤ۔
آسولڈ۔ (بیگم فرمان علی کی طرف بند دیکھتے ہوئے اور نظریں بچاتے ہوئے) آپ مجھے یہ

بتائیے کہ آپ اور مسٹر ملیڈرز کھانے پر اتنے خاموش کیوں تھے اور ایسے عجیب کیوں معلوم ہو رہے تھے ؟

بیگم فرمان علی۔ تم نے اسے محسوس کیا تھا !

آسولڈ۔ ہوں ——— ہاں ! (تھوڑی دیر رُک کر) بتائیے ——— ریجینا کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟

بیگم فرمان علی۔ میرا خیال ؟ ریجینا کے متعلق ؟

آسولڈ۔ ہاں ! وہ کتنی شاندار لڑکی ہے ——— بالکل ایک ملکہ معلوم ہوتی ہے !

بیگم فرمان علی۔ پیارے آسولڈ، تم اُسے اتنا نہیں جانتے جتنا میں جانتی ہوں۔

آسولڈ۔ تو اِس سے کیا ہوا ؟

بیگم فرمان علی۔ ریجینا کے ساتھ بدقسمتی یہ ہوئی کہ اُسے بچپن میں اپنے ماں باپ کے پاس زیادہ دن رہنا پڑا۔ مجھے اُسے پہلے ہی سے اپنے یہاں رکھ لینا چاہئے تھا !

آسولڈ۔ مگر اماں، وہ دیکھنے میں کتنی شاندار معلوم ہوتی ہے ! (پھر گلاس بھر لیتا ہے)

بیگم فرمان علی۔ ریجینا میں بہت سی خامیاں ہیں ———

آسولڈ۔ ہاں ——— لیکن اس سے کیا ہوا ؟ (پیتا ہے)

بیگم فرمان علی۔ لیکن پھر بھی میں اُسے پسند کرتی ہوں اور اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار بن گئی ہوں۔ میں کبھی نہ چاہوں گی کہ اُسے کوئی نقصان پہنچے۔
آسولڈ۔ (اچھل پڑتا ہے) اماں، ریجینا ہی میری نجات کا واحد ذریعہ ہے!
بیگم فرمان علی۔ (اٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے) تمہارا کیا مطلب ہے؟
آسولڈ۔ میں اپنی دماغی تکلیف کو تنہا برداشت نہیں کر سکتا!
بیگم فرمان علی۔ کیا تمہاری ماں تمہارا دکھ درد سننے اور تمہاری مدد کرنے کو تیار نہیں؟
آسولڈ۔ ہاں، خدا کا شکر ہے کہ آپ موجود ہیں۔ جب ہی تو میں یہاں آ گیا ہوں۔ مگر مجھے آپ کے پاس رہ کر کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے پاس رہ کر مجھے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ میں اپنی عمر یہاں نہیں گذار سکتا۔
بیگم فرمان علی۔ آسولڈ!
آسولڈ۔ مجھے آپ سے علیحدہ ہونا پڑے گا اور دوسری قسم کی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ میری حالت کو دیکھیں ——
بیگم فرمان علی۔ میرا پیارا بچہ! مگر آسولڈ، جب تک تم اچھے نہ ہو جاؤ ——
آسولڈ۔ اماں، اگر مجھے محض کوئی بیماری ہی ہوتی تو میں آپ کے پاس ضرور رہتا۔ آپ ہی تو دنیا میں میری بہترین دوست اور غمگسار رہیں!
بیگم فرمان علی۔ ہاں، آسولڈ، میں تمہاری بہترین دوست اور ہمدرد اور تمہاری ماں بھی ہوں! کیوں، بیٹے، کیا نہیں ہوں؟

آسولڈ۔ (گھبرا کر اِدھر اُدھر کمرہ میں ٹہلتے ہوئے) مگر یہ بلا! ——— یہ اذیّت! ——— یہ پشیمانی! ——— یہ کوفت اور کلفت! ———

یہ خطرہ کا احساس! ——— اوہ! اس ہولناک خطرہ کا احساس!

بیگم فرمان علی۔ (اُس کے پیچھے پیچھے کمرہ میں پھرتے ہوئے) خطرہ؟ کس چیز کا خطرہ؟ تمہارا کیا مطلب ہے؟

آسولڈ۔ اوہ! اس کے بارہ میں زیادہ نہ پوچھئے۔ مجھے معلوم نہیں یہ کیا ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتا۔ (بیگم فرمان علی کمرہ میں ایک طرف سے دوسری طرف جاتی ہے۔ اور گھنٹی بجاتی ہے) کیوں؟ کیوں؟ گھنٹی کیوں بجائی؟ آپ کو کیا چاہیئے؟

بیگم فرمان علی۔ میں اپنے بچہ کی خوشی چاہتی ہوں! بس اور کچھ نہیں! تمہیں کسی قسم کی فکر یا تردّد نہ کرنا چاہیئے! نہ زیادہ سوچنا چاہیئے! (ریحانہ سے مخاطب ہو کر جو دروازہ پر آ کر کھڑی ہو گئی ہے) اور شامپین لے آؤ ——— ایک بڑی بوتل!

آسولڈ۔ امّاں!

بیگم فرمان علی۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم گاؤں کے رہنے والوں کے پاس یہ چیزیں نہیں رہتیں۔

آسولڈ۔ کتنی خوبصورت ہے وہ! ماشاءاللہ! سرو کی طرح سیدھا قد اور تندرستی!

بیگم فرمان علی (میز کے پاس کرسی پر بیٹھتے ہوئے) آسولڈ، بیٹھ جاؤ! آؤ باتیں کریں!

آسولڈ۔ امّاں، آپ کو معلوم نہیں، مجھے ایک وعدہ پورا کرنا ہے جو میں نے ریحانہ

سے کیا تھا!

بیگم فرمان علی۔ تم نے؟

آسولڈ۔ ہاں، آپ اسے بے خیالی کہیں یا نا سمجھی، مگر یہ بالکل معصوم سی بات تھی!
جب میں پچھلی بار گھر آیا تھا ——

بیگم فرمان علی۔ ہاں؟

آسولڈ۔ —— تو ریجینا مجھ سے رنگون کے متعلق بہت سی باتیں پوچھا کرتی تھی اور میں اسے وہاں کی زندگی کے قصے سنایا کرتا تھا۔ اور مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک دن اس سے پوچھا "تم دیکھو گی رنگون"؟

بیگم فرمان علی۔ اچھا؟

آسولڈ۔ وہ شرما کر سرخ ہو گئی تھی اور کہنے لگی: "ہاں جی، جی چاہتا تو بہت ہے!" اس پر میں نے اس سے کہا "تو کونسی بڑی بات ہے؟ اس کا انتظام ہو سکتا ہے"
—— مجھے ٹھیک یاد نہیں مگر اسی قسم کی کوئی بات میں نے اس سے کہہ دی تھی۔

بیگم فرمان علی۔ اور پھر؟

آسولڈ۔ میں اس بات کو بالکل بھول گیا تھا۔ مگر پرسوں میں نے اس سے پوچھا: "ریجینا، میرے یہاں رہنے سے تمہیں کوئی خوشی ہوتی ہے؟"

بیگم فرمان علی۔ تو؟

آسولڈ۔ تو اس نے عجیب انداز سے میری طرف دیکھا اور کہنے لگی:۔۔۔۔۔
۔۔۔ مگر میرا رنگون کا سفر"؟

بیگم فرمان علی۔ رنجیدہ ۔۔۔۔۔۔ رنگون کا سفر؟

آسولڈ۔ اور تب مجھے معلوم ہوا کہ اس نے میری بات کا یقین کر لیا تھا اور ہر وقت وہ میرے ہی بارہ میں سوچا کرتی تھی۔ اسی لئے اس نے انگریزی پڑھنی بھی شروع کر دی تھی۔

بیگم فرمان علی۔ اچھا! تو یہ بات تھی ۔۔۔۔۔!

آسولڈ۔ اماں، اس سے پہلے میں نے اس خوبصورت، شاندار، لڑکی کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا، لیکن پرسوں جب وہ کھڑی ہوئی مجھ سے باتیں کر رہی تھی تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ عرصہ سے اپنے بازو پھیلائے مجھے اپنے سینے سے لگا لینے اور اپنا بنا لینے کے لئے منتظر ہے ۔۔۔۔۔

بیگم فرمان علی۔ آسولڈ!

آسولڈ۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میری نجات اسی کے ہاتھوں سے ہو گی اور میں نے اسے نشاطِ زندگی اور سرور و کیفیت کا مجموعہ اور مرکز پایا۔

بیگم فرمان علی۔ (چونک کر) نشاطِ زندگی؟ کیا اسی میں نجات ہے؟

رنجیدہ۔ (کھانے کے کمرہ سے شامپین کی ایک بوتل لئے ہوئے اندر آتی ہے) معاف کیجئے، بیگم صاحبہ! مجھے دیر ہو گئی۔ میں تہہ خانے سے یہ بوتل لاتی ہوں۔

(دونوں میز پر رکھ دیتی ہے)

آصف اللہ۔ (ریحینا سے مخاطب ہو کر) ایک اور گلاس لے آؤ۔

ریحینا۔ (حیرت سے آصف اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے) سرکار! بیگم صاحب کے لئے تو گلاس پہلے ہی سے رکھا ہے!

آصف اللہ۔ ایک گلاس اپنے لئے بھی تو لاؤ! (ریحینا گھبرا سی جاتی ہے اور جلدی سے بیگم شان علی کی طرف دیکھنے لگتی ہے) جاؤ، لے آؤ! (ٹھٹکا رکھ کر کہتا ہے)

ریحینا۔ (رک رک کر دبی زبان سے) بیگم صاحبہ! ہیں؟

بیگم شان علی۔ ریحینا، گلاس لے آؤ۔

(ریحینا کمانسیکے کمرے میں جاتی ہے)

آصف اللہ۔ (ریحینا کو جاتے ہوئے دیکھتا رہتا ہے) اماں، آپ نے اس کی چال دیکھی! ہر قدم معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی سے لبریز ہے! وہ کتنی ثابت قدمی اور خود اعتمادی سے زمین پر پیر رکھتی ہے! اور اس کے اعضا کا تناسب ——— !

بیگم شان علی۔ آصف اللہ، تم جس خیال میں ہو وہ ناممکن ہے۔

آصف اللہ۔ وہ تو طے بھی ہو چکا! اب تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا۔ منع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں! (ریحینا ایک گلاس لئے اندر آتی ہے مگر اسے اپنے ہاتھ ہی میں لئے رہتی ہے) ریحینا، بیٹھ جاؤ! (ریحینا استفہامیہ نگاہوں سے بیگم شان علی کی طرف دیکھتی ہے)

بیگم قربان علی۔ بیٹھ جاؤ۔ (بیچنا کھانے کے کمرہ کے دروازہ کی طرف والی کرسی پر گلاس ہاتھ میں لئے بیٹھ جاتی ہے) آسولڈ، نشاطِ زندگی کے متعلق تم کیا کہہ رہے تھے؟

آسولڈ۔ اوہ، نشاطِ زندگی! —— اماں، اس گاؤں میں رہ کر آپ ایسی چیزوں کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ مجھے تو یہاں کبھی جینے کا مزا نہ آئے گا!

بیگم قربان علی۔ میرے پاس رہ کر بھی نہیں؟

آسولڈ۔ اس بھیانک گھر میں تو قیامت تک نہیں —— لیکن آپ کچھ اندازہ ہی نہیں کر سکتیں!

بیگم قربان علی۔ لیکن میرا تو خیال ہے کہ اب میں تم کو سمجھنے لگی ہوں ——

آسولڈ۔ نشاطِ زندگی اور "نشاطِ کار" —— یہ دونوں اصل میں ایک ہی ہیں۔ لیکن آپ ان دونوں میں سے ایک سے بھی واقف نہیں!

بیگم قربان علی۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو! اچھا، مجھے اس کے متعلق اور کچھ بتاؤ۔

آسولڈ۔ دیکھئے، میرا مطلب یہ ہے کہ یہاں میرے وطن میں لوگوں کو بچپن ہی سے ایسی قضا نصیب ہوتی ہے جس میں عمل —— ہر قسم کے خود اختیاری عمل کو ایک لعنت اور پاداشِ گناہ سمجھا جاتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ اس زندگی میں نیک لوگوں کو آرام نہیں ملتا، اور جتنی جلدی ہی اس زندگی سے پیچھا چھڑایا جائے اتنا ہی اچھا ہے!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، زندگی اشکوں سے بھری اِک وادی ہے! اور ہم جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے ہاتھوں اسے اور بدتر بنا لیتے ہیں!

آسولڈ۔ لیکن اس لعنت کدہ کے باہر لوگ ایسے خیالات نہیں رکھتے۔ وہاں تو محض اِس بات ہی کو ایک بڑی نعمت سمجھا جاتا ہے کہ انسان کے بدن میں جان ہے اور وہ سانس لے سکتا ہے۔ اور اتنی سی بات کے احساس سے ہی وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے! اماں، آپ نے دیکھا نہیں کہ جتنی تصویریں میں نے بنائی ہیں اُن کا موضوع یہی "نشاطِ زندگی" ہے؛ وہاں روشنی ہے، دھوپ ہے، تفریح ہے، فرصت ہے، چھٹی ہے ——————!

وہاں لوگوں کے چہرے خوشی سے چمکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں یہاں آپ کے پاس ٹھہرنا نہیں چاہتا۔ یہاں مجھے ڈر لگتا ہے!

بیگم فرمان علی۔ ڈر؛ میرے پاس رہ کر تمہیں کس بات کا ڈر ہے؛

آسولڈ۔ مجھے ڈر ہے کہ زندگی کے متعلق جتنے لطیف احساسات میرے اندر ہیں۔ وہ یہاں کی تیرہ و تار فضا میں رہ کر مسخ ہو جائیں گے۔

بیگم فرمان علی۔ (آسولڈ کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہوئے) کیا تمہارا خیال ہے کہ ایسا ہو جائے گا؛

آسولڈ۔ مجھے محض خیال ہی نہیں، یقین ہے —————— پورا الیقین ہے! اگر یہاں اس قسم کی آزاد زندگی بھی بسر کی جائے جس کا میں ذکر کر رہا تھا۔

تب بھی یہاں کی زندگی ویسی ہرگز نہیں ہو سکتی۔

بیگم فرمان علی۔ (جو متفکرانہ انداز میں آسولڈ کی باتیں سن رہی تھی، چہرہ پر تردد کے آثار لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہے) مجھے اب صاف طور پر معلوم ہو گیا ——— !

آسولڈ۔ کیا معلوم ہو گیا آپ کو؟

بیگم فرمان علی۔ اب مجھے پہلی بار یہ معلوم ہو گیا، اور اب میں کچھ کہہ سکتی ہوں!

آسولڈ۔ (کھڑے ہوتے ہوئے) اماں، میں نہیں سمجھا ——— آپ نے کیا کہا؟

ریجینا۔ (کھڑی ہو کر) مجھے یہاں سے ہٹ جانا چاہئے۔

بیگم فرمان علی۔ نہیں، ریجینا، یہیں ٹھہر۔ اب میں کہہ سکتی ہوں، بتا سکتی ہوں! میرے بیٹے، اب تم کو سچ سچ سب حال معلوم ہو جائے گا۔ آسولڈ! ریجینا!

آسولڈ۔ ہش ہش ہش! پادری ———

(بینڈرز اندر داخل ہوتا ہے)

بینڈرز۔ ہم لوگ یتیم خانہ میں دعا مانگ رہے تھے اور اپنی روحوں کو پاک کر رہے تھے۔

آسولڈ۔ ہم بھی یہاں یہی کر رہے تھے!

بینڈرز۔ وانس کو اپنا ہوٹل چلانے کے لئے ایک مددگار کی ضرورت ہے۔ ریجینا کو اب اس کے پاس جا کر رہنا چاہئے۔

ریجینا۔ نہیں، شکریہ، مسٹر بینڈرز، مجھے معاف رکھئے۔

بلنٹڈرز۔ (پہلی بار ریجینا کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے) ریجینا! تم! یہاں؟ ملاقات کے کمرہ میں؟ کرسی پر؟ شاہپین کا گلاس لئے ہوئے؟ ——

ریجینا۔ (جلدی سے گلاس فرش پر رکھ دیتی ہے) میں معافی چاہتی ہوں ——

آسولڈ۔ مسٹر بلنٹڈرز، ریجینا میرے ساتھ جا رہی ہے!

بلنٹڈرز۔ جا رہی ہے؟ تمہارے ساتھ!

آسولڈ۔ ہاں، میری بیوی بن کر —— اگر وہ اسی بات پر مصر ہے!

بلنٹڈرز۔ لیکن —— لیکن —— او خدا!

ریجینا۔ مسٹر بلنٹڈرز، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ——

آسولڈ۔ اور اگر میں یہاں رہا تو وہ بھی یہیں رہے گی۔

ریجینا۔ (اضطراری طور پر منہ سے نکل جاتا ہے) یہاں!

بلنٹڈرز۔ بیگم صاحب، مجھے آپ پر تعجب ہے!

بیگم فرمان علی۔ ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہ ہونے پائے گی کیونکہ اب میں صاف صاف سب کچھ کہہ سکتی ہوں۔ مجھ میں ہمت آگئی ہے۔

بلنٹڈرز۔ نہیں، نہیں، خدا کے لئے ایسا غضب نہ کیجئے۔

بیگم فرمان علی۔ میں اب سب کچھ صاف صاف علانیہ طور پر کہہ سکتی ہوں۔ اور کہہ کر رہوں گی۔ اب چاہے کسی کے متعلق کسی کے خیالات بگڑیں یا اچھے رہیں!

آسولڈ۔ امّاں، کون سی بات ہے جو مجھ سے چھپائی جا رہی ہے؟
ریچینا۔ (کان لگا کر سنتی ہے) بیگم صاحب، سنئے، بہت شور ہو رہا ہے۔

(ریچینا عقبی کمرہ میں جاتی ہے اور باہر دیکھتی ہے)

آسولڈ۔ (بائیں طرف کھڑکی کے پاس جاتا ہے) کیا معاملہ ہے؟ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟
ریچینا۔ (چلاتی ہے) یتیم خانہ میں آگ لگ گئی!
بیگم فریان علی۔ (کھڑکی کے پاس جاتے ہوئے) آگ!
پینڈرز۔ آگ لگ گئی؟ یتیم خانہ میں؟ ناممکن! ابھی تو میں وہاں سے چلا آ رہا ہوں!
آسولڈ۔ میرا ہیٹ کہاں ہے؟ اچھا، چھوڑو ———— ابّا کی یادگار! یتیم خانہ ———— !

(باغ میں جانے والے دروازہ سے باہر نکل جاتا ہے)

بیگم فریان علی۔ ریچینا، میری شال لانا۔ اف اللہ، شعلے تو آسمان تک پہنچ رہے ہیں!
پینڈرز۔ آفت! یہ کیا قیامت ٹوٹی! بیگم صاحب، یہ آگ خدا کا قہر ہے جو اس یتیم خانے ———— اس گناہ کی یادگار پر ٹوٹ پڑا ہے!
بیگم فریان علی۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آؤ، ریچینا!

(بیگم فرمان علی اور ریحینا جلدی جلدی باہر نکل جاتی ہیں)

ملیشاڈرز۔ (ہاتھ ملتے ہوئے) اور عمارت کا بیمہ بھی تو نہیں کرایا تھا!

(ان دونوں کے پیچھے پیچھے وہ بھی باہر نکل جاتا ہے)

تیسرا ایکٹ

(وہی منظر۔ تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں لیمپ ابھی تک میز پر جل رہا ہے باہر گھُپ اندھیرا ہے مگر کبھی کبھی عقبی کھڑکیوں کے شیشوں میں سے روشنی کی ایک چمک سی نظر آجاتی ہے۔ بیگم فرمان علی سر پر شال ڈالے کھڑی ہوئی دروازہ سے باہر دیکھ رہی ہے۔ ریجینا بھی ایک شال میں لپٹی ہوئی اس کے پیچھے کھڑی ہے)

بیگم فرمان علی۔ سب جل کر خاک ہو گیا!

ریجینا۔ بنیادیں ابھی تک جل رہی ہیں!

بیگم فرمان علی۔ معلوم نہیں آسو لڑ ابھی تک کیوں نہیں لوٹا! جہیز تو کوئی بچا ہی نہیں جا سکتی!

ریجینا۔ کیا میں ان کی ہیٹ انہیں دے آؤں؟

بیگم فرمان علی۔ ہیں! وہ ننگے سر باہر نکل گیا؟ ہیٹ نہیں لی؟

ریجینا۔ (کھونٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) نہیں، اُن کی ہیٹ تو وہ ٹنگ رہی ہے!

بیگم فرمان علی۔ تم فکر نہ کرو۔ آسو لڑ اب آتا ہی ہوگا۔ میں جا کر دیکھتی ہوں کہ وہ کیا کر رہا ہے (باغ میں جانے کے دروازہ سے باہر نکل جاتی ہے۔ ینڈرز ہال میں سے گذر کر اندر داخل ہوتا ہے)

ینڈرز۔ بیگم صاحب کہاں گئیں؟

ریجینا۔ وہ ابھی باغ میں گئی ہیں۔

ینڈرز۔ میں نے اپنی تمام عمر میں ایسی بھیانک رات نہیں دیکھی۔

ریجینا۔ پادری صاحب۔ یہ مصیبت کیسی ——

ینڈرز۔ اوہ! اس کا ذکر نہ کرو۔ میں تو اس کو سوچ کر ہی لرز جاتا ہوں۔

ریجینا۔ مگر وہاں تک آگ پہنچی کیسے؟

ینڈرز۔ اوہ ہیس ڈاس، مجھ سے مت پوچھو۔ مجھے کیا معلوم؟ کیا تم بھی سمجھتی ہو کہ —— تمہارا باپ —— !

ریجینا۔ اس نے کیا کیا؟

بلینڈرز۔ اس کمبخت نے مجھے تنگ کر مارا ـــــــــ میں اپنی زندگی سے بیزار ہوں!

جوزف واس۔ (ہال میں سے ہو کر اندر داخل ہوتے ہوئے) پادری صاحب ـــ!

بلینڈرز۔ یہاں بھی ظلم ـــــــ!

جوزف واس۔ ہے عیسیٰ مسیح! یہ کیا ہو گیا؛ ـــــــــ سب جل گیا!

بلینڈرز۔ (کمرے میں ادھر اُدھر جلدی جلدی ٹہلتے ہوئے) افسوس!

ریجینا۔ (جوزف واس سے مخاطب ہو کر) یہ آخر ہوا کیسے؟

جوزف واس۔ مہاری (ہماری) دعا کے کارن (سبب)! (آہستہ سے ریجینا کے کان میں کہتا ہے) اب ہم نے اس بڈھے کو پھانس لیا۔ دیکھ ری چھوکری! (زور سے کہتا ہے) پادری صاحب، کسور (قصور) میرا ہے۔ میں ہی جھجور (حضور) کو وہاں لے گیا۔ اب کیا کروں!

بلینڈرز۔ واس، میں سچ کہتا ہوں

جوزف واس۔ لیکن، جھجور (حضور) ہی کے پاس تو جلتی ہوئی موم بتی تھی! اور کسی کے پاس نہ تھی!

بلینڈرز۔ (ساکت کھڑا رہ جاتا ہے) ہاں تم تو یہی کہہ رہے ہو! مگر مجھے ٹھیک سے یاد نہیں

جوزف واس۔ جھجور (حضور) میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ جھجور نے ایک جلتی ہوئی

موم بتّی میں پھونک ماری اور اُسے پھینک دیا۔ وہی لکڑی کی چھیلن میں جا گری تھی!

بلینڈرز۔ تمہیں اچھی طرح یاد ہے؟

جوزف واس۔ ہاں اسرکار۔

بلینڈرز۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ——— ایسا تو میں کبھی نہیں کرتا تھا!

جوزف واس۔ پر سرکار، ہونی بات کو کون ٹالتا! کسے پتہ تھا اک (کہ) یہ (یہ) ہو جاوے گا!

بلینڈرز۔ (مضطرب ہو کر کمرہ میں اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے) اوہ، مجھ سے نہ بولو!

جوزف واس (بلینڈرز کے پیچھے پیچھے لنگڑاتے ہوئے) اور اجحور، آپ نے اس کا بیمہ بھی کرا لیا تھا یا نہیں؟

بلینڈرز۔ نہیں، نہیں، نہیں۔ میں تم کو بتا تو چکا ہوں!

جوزف واس۔ بیمہ بھی نہیں کرایا تھا؟ چچ چچ چچ! اور پھر ججور (حضور) ہی کے ہاتھ سے سب جل گیا! او میرے کھدا (خدا)! یہ تو بڑی بھاری آپھت (آفت) کھتی (ہوئی)!

بلینڈرز۔ (پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے) ہاں، واس!

جوزف واس۔ اَپھسوس (افسوس) تو یہ (یہ) ہے اک (کہ) کل ہی اکھباروں (اخباروں) میں یہ (یہ) بات آ جاوے گی! وا (وہ) ججور (حضور) ہی کو الجام (الزام)

دیں گے!

بلینڈرز۔ یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں! عجیب مصیبت میں جان ہے۔ وہ اخبار تو
ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جائیں گے اور نہ جانے کیا کیا کہیں گے!

بیگم فرمان علی۔ (باغ میں سے اندر آتے ہوئے) وہ آگ کے پاس سے ہٹتا ہی نہیں
میں کہہ کہہ کر ہار گئی مگر وہ وہیں کھڑا ہے!

بلینڈرز۔ بیگم صاحب، آپ آگئیں؟

بیگم فرمان علی۔ اب آپ ایڈریس پڑھنے کی زحمت سے بچ گئے!

بلینڈرز۔ نہیں، میں خوشی سے ایڈریس ——————

بیگم فرمان علی۔ (سست تھکی ہوئی آواز میں) جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا۔ اس تقسیم خانہ
سے کس کو فائدہ پہنچا؟

بلینڈرز۔ نہیں، آپ ایسا خیال نہیں کر سکتیں!

بیگم فرمان علی۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچا؟

بلینڈرز۔ بہرحال، یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہوئی ہے!

بیگم فرمان علی۔ میرے نزدیک تو محض کاروباری نقطہ نظر سے نقصان ہوا
ہے (جوزف داس سے مخاطب ہو کر) داس، کیا تم مسٹر بلینڈرز سے بات کرنا
چاہتے ہو؟

جوزف داس۔ ہاں بیگم صاحبہ، آپ از اجینت (اجازت) دیں تو ——

بیگم فرمان علی۔ اچھا! تو ذرا دیر باہر آپ انتظار کرو۔ وہاں بیٹھ جاؤ۔
جوزف داس۔ حضور کی مہربانی! پر، میں کھڑا ہی رہوں گا۔
بیگم فرمان علی۔ (لینڈرز سے مخاطب ہو کر) کیا آپ اس "ٹرین" سے جا رہے ہیں؟
لینڈرز۔ ہاں، وہ تقریباً ایک گھنٹہ میں چھوٹے گی۔
بیگم فرمان علی۔ مہربانی کر کے کل دستاویزیں اپنے ساتھ ہی لے جائیے۔ میں اُن کے متعلق اب ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی۔ ابھی مجھے کچھ اور سوچنا ہے ——————

لینڈرز —————— بیگم صاحب! ——————
بیگم فرمان علی۔ میں بعد کو آپ کے پاس مختار نامہ لکھ کر بھیج دوں گی کہ آپ ان دستاویزوں کو جو چاہے کیجئے۔
لینڈرز۔ میں خوشی سے یہ خدمت انجام دوں گا۔ مگر اب تو وصیت کرنے والے کی اصلی خواہش اور ارادہ میں ردّ و بدل کرنا ہوگا۔
بیگم فرمان علی۔ ہاں،
لینڈرز۔ میری رائے ہے کہ "ممبرلوپ" کی جائداد کرجا کے نام لکھ دی جائے۔ زمین کی کچھ نہ کچھ قیمت لگ ہی جائے گی اور باقی جو روپیہ بنک میں جمع ہے اُس کا —————— ممکن ہے میں اسے کسی اچھے کام میں لگا سکوں!
بیگم فرمان علی۔ آپ کا جو جی چاہے کیجئے۔ مجھے اب اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی!

جوزف داس ۔ (آہستہ سے) میرے سے پہلے بھی تو لوگوں نے دوسروں کے
الجام (الزام) اپنے سر لئے ہیں!

بلینڈرز ۔ جوزف! (اُس کا ہاتھ تھام لیتا ہے) تم ہزاروں میں ایک ہو! تمہارے ہوٹل
کو ضرور مدد دی جائے گی۔

(جوزف داس شکریہ ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر وفورِ جذبات سے اُس
کا گلا بھر آتا ہے)

اچھا، جوزف، آؤ چلیں۔ ہم تم ساتھ سفر کریں گے۔

جوزف داس ۔ (کھانے کے کمرہ کے دروازہ کے پاس آہستہ آہستہ ریجینا سے کہتا ہے)
آ، میری ساتھ چل، لونڈی، بڑی سُکھی رہے گی!

ریجینا ۔ (انکار میں سر ہلاتے ہوئے) شکریہ! مجھے بخشو!

(ریجینا ہال میں جا کر بلینڈرز کا سامان اٹھا لاتی ہے)

بلینڈرز ۔ اچھا، بیگم صاحب، خدا حافظ! خدا کرے پھر سے اِس گھر میں خدا کی
رحمت نازل ہو، اور امن و عافیت اور نیکی کا دور دورہ ہو!

بیگم فرمان علی ۔ خدا حافظ، مسٹر بلینڈرز۔

(بیگم فرمان علی عقبی کمرہ میں جاتی ہے اور آسولڈ کو باغ کی طرف والے دروازہ
سے آتے دیکھتی ہے)

جوزف داس (ریجینا کے ساتھ مل کر بلینڈرز کو کوٹ پہناتے ہوئے) گُڈ بائی، بچّی (خدا حافظ)!

رجنی، تجھے کوئی تکلیپھ (تکلیف) ہو تو میرے وصورے (پاس) آجائیو۔ تُو تو جانے ہے (جانتی ہے) اک (کہ) میں کہاں ملوں گا۔ (دھیمی آواز میں) "چاوڑی کے پاس ——— اح ہُمّ! (بیگم فرمان علی اور آسولڈ سے مخاطب ہو کر) اور میں نواب صاحب کے نام پر اپنے ہوٹل کا نام رکھوں گا ——— "پھرمان ہوٹل" (فرمان ہوٹل)!

بلینڈرز۔ (دروازے پکڑے ہوئے) اح ہُمّ ——— اح ہُمّ، چلو داس، آؤ۔ خدا حافظ، خدا حافظ!

(بلینڈرز اور جوزف داس دروازہ سے باہر جاتے ہیں)

آسولڈ (میز کے پاس جاتے ہوئے) یہ داس کس ہوٹل کا ذکر کر رہا تھا؟

بیگم فرمان علی۔ وہ ایک ایسا ہوٹل کھولنا چاہتا ہے جہاں سپاہیوں کو کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ نیکی کی تعلیم بھی دی جا سکے۔ مسٹر بلینڈرز اس کی رائے سے متفق ہیں۔

آسولڈ۔ وہ بھی اس یتیم خانہ کی طرح جل جائے گا!

بیگم فرمان علی۔ کیوں؟ تم ایسا کیوں سوچتے ہو؟

آسولڈ۔ ہر چیز جل جائے گی، ہر وہ چیز جس سے میرے والد کی یاد وابستہ ہے! مجھے دیکھئے، میں بھی جلا جا رہا ہوں!

(رجنی گھبرا کر اس کی طرف دیکھتی ہے)

بیگم فرمان علی۔ تمہیں وہاں آگ کے پاس نہیں کھڑا رہنا چاہیے تھا ——— میرا معصوم بچہ!

آسولڈ۔ (میز کے پاس بیٹھتے ہوئے) ہاں، شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں!

بیگم فرمان علی۔ آسولڈ، میں رومال سے تمہارا منہ پونچھ دوں؟ تمہیں پسینہ آ رہا ہے! (آسولڈ کا منہ اپنے رومال سے پونچھ دیتی ہے)

آسولڈ۔ (اپنے سامنے خالی خالی بے جان آنکھوں سے گھورتے ہوئے) شکریہ، اماں!

بیگم فرمان علی۔ تم تھک گئے ہو گے، سو رہو۔

آسولڈ۔ (بیقرار ہو کر) نہیں، نہیں، میں سوؤں گا نہیں! میں کبھی نہیں سوتا۔ ——— صرف سونے کا بہانہ کیا کرتا ہوں! (رنجیدہ اور بھاری آواز میں) اب ایک بار جلد ہی ——— ہمیشہ کیلئے نیند آجائے گی!

بیگم فرمان علی۔ (آسولڈ کی طرف سے متفکر نظروں سے دیکھتے ہوئے) آسولڈ، میرے بچے، تم واقعی بیمار ہو!

سبینا۔ (ہر لفظ پر زور دے کر اور اٹک اٹک کر) کیا ——— چھوٹے ——— سرکار ——— بیمار ہیں؟

آسولڈ۔ (بیتاب ہو کر اچانک کہتا ہے) سب دروازے بند کر دو ——— یہ ڈر! ——— یہ خوف!

بیگم فرمان علی۔ ریحینا، دروازے بند کردو۔ (ریحینا ایک ایک کرکے سب دروازے بند کردیتی ہے اور ہال کے دروازہ کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے۔ بیگم فرمان علی اپنا شال اتارتی ہے۔ ریحینا بھی اپنا شال اُتار دیتی ہے۔ بیگم فرمان علی ایک کرسی کھینچ کر آسولڈ کے برابر بچھاتی ہے اور اس پر بیٹھ جاتی ہے) اب ٹھیک ہے! اب میں تمہارے پاس بیٹھوں گی ——————

آسولڈ۔ ہاں، اماں، تم یہیں میرے پاس رہو اور ریحینا بھی یہیں رہے۔ ریحینا کو ہمیشہ میرے پاس رہنا چاہئے! (ریحینا سے مخاطب ہو کر) ریحینا تو تمہیں میری مدد کرنی چاہئے! سمجھیں؟ کیا تم میری مدد نہ کرو گی؟

ریحینا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا

بیگم فرمان علی۔ مدد؟ کیسی مدد؟

آسولڈ۔ ہاں! مدد، جب مجھے ضرورت ہو تب

بیگم فرمان علی۔ آسولڈ! کیا تمہاری مدد کو میں موجود نہیں ہوں؟

آسولڈ۔ تم! (مسکراتا ہے) نہیں اماں، تم کبھی میری ایسی مدد نہیں کرسکتیں جیسی میں چاہتا ہوں! (تلخی کی ہنسی ہنستا ہے) تم، اماں، تم! ہا ہا ہا! (بیگم فرمان علی کی طرف سنجیدہ انداز میں دیکھتا ہے) لیکن مدد کرنے کا سب سے پہلا حق تو تم ہی کو ہے!

(بے چین سا ہو کر) ریحینا، تم مجھے آسولڈ کہہ کر کیوں نہیں پکارتیں؟

"آسولڈ" کہا کرو۔ سمجھیں؟

ریجینا۔ (دھیرے سے) بیگم صاحب اسے پسند نہ کریں گی۔

بیگم فرمان علی۔ تمہیں بہت جلد میرے بیٹے کو اس کا نام لے کر پکارنے کا حق حاصل ہو جائے گا! آؤ، ریجینا، یہاں ہمارے پاس آکر بیٹھو۔ (ریجینا چپ چاپ، رک رک کر، ہچکچاتے ہوئے، میز کے دوسرے سرے پر ایک کرسی پہ بیٹھ جاتی ہے) اور اب ——— میرے مصیبت زدہ، معصوم بچے، میرے لال! اب میں اپنے دماغ کا بوجھ ہلکا کرتی ہوں ———

آسولڈ۔ اماں!

بیگم فرمان علی۔ ہاں اُن تمام چیزوں کا بوجھ جنہیں تم پشیمانی، افسوس، اور ناسفت اور اسی قسم کی اور باتیں کہا کرتے ہو۔

آسولڈ۔ کیا آپ اس بوجھ کو سر سے اتار کر پھینک سکتی ہیں؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں، آسولڈ، اب میں یہ کر سکتی ہوں۔ کچھ دیر پہلے تم "نشاطِ زندگی" کا ذکر کر رہے تھے، اور تم نے جو کچھ کہا اس نے میری ساری زندگی کے ہر گوشہ پر ایک نئی روشنی ڈال دی ہے۔

آسولڈ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اماں، تم کیا کہہ رہی ہو؟

بیگم فرمان علی۔ تم اپنے باپ کو اُن کی شروع جوانی کے عالم میں دیکھتے ——— وہ اسی نشاطِ زندگی سے بھر پور تھے جس کا تم ذکر کر رہے تھے! ....

میں اب تمہیں بتاتی ہوں۔

آسولڈ۔ ہاں میں سن رہا ہوں!

بیگم فرمان علی۔ اُن کو دیکھ کر ساری کلفتیں دُور ہو جایا کرتی تھیں! وہ اتنے ہنس مکھ اور ہشاش بشاش نظر آتے تھے!

آسولڈ۔ اچھا، آگے کہیئے۔

بیگم فرمان علی۔ آگے چل کر اس بچہ کو ——— اُن دنوں تمہارے والد مثل ایک بچہ ہی کے تھے اور نشاطِ زندگی سے بہرہ ور تھے!
ایک شہر میں رہنا پڑا جہاں نشاطِ زندگی تو نہ تھا البتہ اربابِ نشاط تھیں اور عیاشی اور بدمعاشی! جب کبھی وہ یہاں آکر رہتے تو ان کی زندگی بے مقصد معلوم ہوتی تھی۔ اُن کے پاس دل چسپی کے لئے کوئی مشغلہ ہی نہ تھا۔ صرف اعزازی کام تھے جو وہ اچھی طرح انجام نہ دیتے تھے۔ اُن کا کوئی مصاحب بھی ایسا نہ تھا جو انہیں بتاتا کہ نشاطِ زندگی کیا ہوتا ہے۔ اُن کے سب مصاحب آوارہ، بدمعاش اور غنڈے تھے!

آسولڈ۔ ہیں! اماں ———

بیگم فرمان علی۔ اور اس کا انجام وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا!

آسولڈ۔ کیا؟

بیگم فرمان علی۔ تم خود ابھی کچھ دیر پہلے کہہ رہے تھے کہ اگر تم یہاں گھر پر رہے تو تمہارا

کیا حال ہو گا بس ویسا ہی حال اُن کا ہوا۔

آسو لڑ۔ تو کیا آپ کا مطلب ہے، کہ ابّا جان ——— ؟

بیگم فرمان علی۔ تمہارے باپ کو کبھی اس زبردست "نشاطِ زندگی" کے اظہار کا کوئی موقع نہ مل سکا جس کی صلاحیت اُن کے اندر موجود تھی، اور میں بھی اس گھر کی وحشت ناک فضا کو خوشگوار نہ بنا سکی!

آسو لڑ۔ امّاں! تم بھی اس گھر کی فضا میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکیں؟

بیگم فرمان علی۔ مجھے تو بچپن سے صرف فرض شناسی ہی کے سبق پڑھائے گئے تھے اور اسی کا اثر میرے دل، میرے دماغ اور میری رُوح پر چھایا ہوا تھا! ہر چیز میں فرض ہی فرض گھسا ہوا تھا میرا فرض ——— یا اُن کا فرض!

——— اس بدنصیب ملک میں "نشاطِ زندگی" سے ہم بیچاری عورتوں کو کہاں واسطہ پڑتا ہے؟ اور نتیجہ یہی ہوا کہ یہ گھر تمہارے باپ کے لئے اور میرے لئے جہنّم بن گیا!

آسو لڑ۔ آپ نے خطوں میں یہ سب کچھ لکھ کر مجھے کیوں نہ بتایا؟

بیگم فرمان علی۔ یہ بھی اُسی فرض شناسی کے طفیل! مجھے اپنی شروع کی تعلیم کے زیرِ اثر یہی مناسب معلوم ہوا کہ تم جو اُن کے بیٹے تھے ——— تم کو اپنے باپ کی ناگفتہ بہ زندگی کا حال نہ معلوم ہو۔

آسو لڑ۔ تو آخر آپ نے اس معاملہ پر کچھ سوچا سمجھا بھی تھا؟

بیگم فرمان علی۔ میں نے تو یہی سمجھا تھا کہ تمہارے پیدا ہونے سے پہلے ہی تمہارے باپ بالکل دین و دنیا سے جاتے رہے تھے۔

آسولڈ۔ (گلے میں آواز پھنس جاتی ہے) آہ ——————! (وہ کھڑا ہو جاتا ہے اور کھڑکی کے پاس جاتا ہے)

بیگم فرمان علی۔ اور ایک اور بات بھی میں نے سمجھ لی تھی —————— اسی کو سوچ میں خود پاگل سی ہو گئی ہوں! —————— وہ بات یہ ہے کہ ریجینا کو بھی اس گھر میں رہنے کا اُتنا ہی حق حاصل ہے جتنا میرے اپنے بچے کو!

آسولڈ۔ (اچانک مڑ کر) ریجینا؟

ریجینا۔ (کھڑی ہو جاتی ہے اور بھرّائی ہوئی آواز میں کہتی ہے) میں ——————؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں، اب تو تم دونوں اصل حقیقت جان گئے؟

آسولڈ۔ ریجینا!

ریجینا۔ (آپ ہی آپ بڑبڑاتے ہوئے) تو میری ماں بھی اُسی قسم کی عورتوں میں سے تھی!

بیگم فرمان علی۔ تمہاری ماں میں بہت خوبیاں تھیں —————— ریجینا!

ریجینا۔ ہاں، ہوں گی۔ مگر بہرحال وہ بھی اُسی قسم کی عورتوں میں سے تھی۔ مجھے خود بھی کبھی کبھی یہی شک گذرتا تھا۔ اچھا، بیگم صاحبہ، اگر آپ اجازت

میں تو ابھی اس گھر سے چلی جاؤں۔

بیگم فرمان علی۔ ریجینا، کیا تم واقعی یہاں سے جانا چاہتی ہو؟

ریجینا۔ ہاں، بیگم صاحب، اب میری یہی خواہش ہے۔

بیگم فرمان علی۔ تم آزاد ہو، جو چاہو کرو ——— لیکن ———

آسولڈ۔ (ریجینا کے پاس جاتے ہوئے) یہ گھر چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو؟ اب یہ تمہارا گھر ہے

ریجینا۔ شکریہ، نواب زادہ صاحب! ——— مگر، اوہ، اب تو میں آپ کو "آسولڈ" کہہ سکتی ہوں، گو مجھے کبھی اس کا گمان بھی نہ تھا کہ ان حالات میں مجھے آپ کو آپ کا نام لے کر پکارنے کا حق حاصل ہوگا ———

بیگم فرمان علی۔ ریجینا، میں نے کبھی تم سے کھل کر بات نہیں کی ———

ریجینا۔ ہاں، یہ بات تو ہے! اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ آسولڈ بیمار ہے ——— اب تو میرے خواب واقعی خواب و خیال بن کر رہ گئے ہیں! ——— نہیں، نہیں! میں یہاں اس گاؤں میں گھٹ گھٹ کر مرنا پسند نہ کرونگی۔ مجھ سے کسی کی تیمارداری نہیں ہو سکتی!

آسولڈ۔ کیا تم اس شخص کی تیمارداری بھی نہیں کرو گی جو تمہارا اتنا قریبی رشتہ دار ہے؟

ریجینا۔ نہیں، میں یہاں بالکل نہیں ٹھہر سکتی! ایک غریب لڑکی کو اپنی جوانی کا

مصروف ڈھونڈنا چاہیئے، ورنہ قبل اس کے کہ وہ اندازہ کر سکے کہ وہ کہاں
ہے وہ گڑھے میں گر چکی ہوگی! (بیگم فرمان علی سے مخاطب ہو کر) اور بیگم صاحبہ
مجھ میں بھی کافی "نشاطِ زندگی" موجود ہے!

بیگم فرمان علی۔ ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ بدقسمتی تو یہی ہے اگر تم اپنے آپ کو اس طرح برباد مت کرو!

ریجینا۔ اوہ، کوئی پرواہ نہیں! جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اگر آسولڈ اپنے باپ
کا بیٹا ہے تو یہ ضروری ہے کہ مجھ میں بھی میری ماں کی خصوصیات ہیں! بیگم صاحبہ!
کیا مسٹر مینڈرز کو میرے متعلق یہ سب کچھ معلوم ہے؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں، مسٹر مینڈرز کو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔

ریجینا۔ (شال اوڑھتے ہوئے) تو میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میں اسی گاڑی سے جلد
از جلد چل دوں۔ مسٹر مینڈرز انتہائی درجے کے شریف آدمی ہیں، اور اب تو
میں محسوس کرتی ہوں کہ اس روپیہ پر مجھے بھی اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا خود
مسٹر مینڈرز کو یا اس خبیث بڈھے بڑھئی کو ——

بیگم فرمان علی۔ تم شوق سے وہ روپیہ لے سکتی ہو۔

ریجینا۔ (بیگم فرمان علی کی طرف آنکھیں گاڑ کر دیکھتے ہوئے) آپ میری تربیت ایک
شریف آدمی کی بچی کی طرح کر سکتی تھیں —— یہ زیادہ
مناسب ہوتا! (اپنا سر ہلاتی ہے) اوہ، خیر کوئی بات نہیں! (شامپین
کی بوتل پر ایک تلخ نگاہ ڈالتے ہوئے) مجھے یقین ہے کہ ایک دن میں بھی

شریف آدمیوں کے ساتھ رشتہ میں چلتی ہوگی۔

بیگم فرمان علی۔ ریجینا۔ اگر تمہیں کبھی کوئی مصیبت پیش آجائے تو میرے پاس چلی آنا۔ یہ تمہارا ہی گھر ہے!

ریجینا۔ نہیں، بیگم صاحب، شکریہ۔ مسٹر منیڈرز مجھ پر بہت مہربان ہیں اور بہت زیادہ میرا خیال کرتے ہیں! اور اگر حالات بہت ہی ناموافق ہوئے تو مجھے ایک جگہ معلوم ہے جہاں میں آرام سے رہ سکوں گی۔

بیگم فرمان علی۔ وہ کہاں؟

ریجینا۔ "فرمان ہوٹل"

بیگم فرمان علی۔ ریجینا، مجھے نظر آرہا ہے کہ تم تباہ ہونے جارہی ہو!

ریجینا۔ اونہہ! ——— خدا حافظ!

(ریجینا بیگم فرمان علی اور آصف کو جھک کر تسلیم کرتی ہے اور ہال میں سے باہر نکل جاتی ہے)

آصف۔ (کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے اور باہر دیکھتے ہوئے) کیا وہ چلی گئی؟

بیگم فرمان علی۔ ہاں۔

آصف۔ (آپ ہی آپ بڑبڑاتے ہوئے) یہ سب غلط ———

بیگم فرمان علی۔ (اس کے پیچھے جاکر کھڑی ہوجاتی ہے اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھتی ہے) آصف، میرے پیارے بیٹے، کیا ان تمام باتوں سے تمہارے دل کو

بہت زیادہ تکلیف پہنچی ؟

آسولڈ ۔ (بیگم فرمان علی کی طرف منہ موڑ کر) اپنے باپ کے متعلق یہ سب باتیں معلوم کر کے ؟

بیگم فرمان علی ۔ ہاں، اپنے بدقسمت باپ کے بارہ میں معلوم کر کے کہ ——————
مجھے ڈر ہے کہ یہ صدمہ تمہارے لئے ناقابل برداشت ہوگا !

آسولڈ ۔ کیوں ؟ آپ کیوں ایسا خیال کرتی ہیں ؟ مجھے تعجب ضرور ہوا لیکن میں نہیں سمجھتا کہ مجھے ان باتوں کی کوئی پرواکرنی چاہئے۔

بیگم فرمان علی ۔ (اپنا ہاتھ آسولڈ کے کاندھے پر سے ہٹاتے ہوئے) تمہیں پرواہ نہیں ؟ —— تم پر اس بات کا کوئی اثر نہیں کہ تمہارے باپ کی زندگی بالکل اکارت گئی ؟

آسولڈ ۔ مجھے ان سے ہمدردی ضرور ہے —— اتنی ہی جتنی کسی اور سے ہوتی ! —— مگر ——

بیگم فرمان علی ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ؟ اپنے باپ سے

آسولڈ (بےچین ہو کر) باپ ! باپ ! میں کبھی اپنے باپ سے واقف نہ ہوا ! مجھے سوائے اس کے اور کچھ یاد نہیں کہ میرے باپ نے مجھے ایک مرتبہ سگار پلا کر بیمار کر دیا تھا ——

بیگم فرمان علی ۔ یہ تو بہت بری بات ہے ! ظلم ہے ! کچھ بھی ہو بچے کے دل

ہیں باپ کے لئے ذرا سی شفقت تو ہونی چاہیئے۔

آسولڈ۔ اور جب بچے اور باپ میں کوئی تعلق ہی نہ رہا ہو؟ جب کسی بات کے لئے وہ اپنے باپ کا مرہونِ منت نہ ہو؟ جب بچہ باپ سے واقف ہی نہ ہوا ہو؟ —————— اماں، کیا تم بھی اِن دقیانوسی توہمات پہ یقین رکھتی ہو؟ تم تو اور باتوں میں بڑی وسعتِ نظر رکھتی ہو! یہ سب ڈھکوسلے ہیں، ڈھکوسلے!

بیگم فرمان علی۔ تو تم باپ کی محبت کو محض ایک توہم، ایک ڈھکوسلہ کہتے ہو؟

آسولڈ۔ ہاں، اماں۔ تم خود بھی اسے اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔ یہ والدین کی محبت وغیرہ بھی اُن ہی بہت سے توہمات میں سے ہے جس کو بلا سمجھے ہوئے لوگوں نے دنیا میں رائج کر رکھا ہے، اور ——————

بیگم فرمان علی۔ معتقدات کے بھوت!

آسولڈ (کمرہ میں ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے) ہاں، تم انہیں بھوت کہہ سکتی ہو۔

بیگم فرمان علی۔ (شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر پھوٹ پڑتی ہے) آسولڈ! —————— تو تم مجھ سے بھی محبت نہیں کرتے!

آسولڈ۔ تم سے تو میں کم از کم تھوڑا بہت واقف ہوں ——————

بیگم فرمان علی۔ تم مجھ سے واقف ہی ہو! بس؟

آسولٹ۔ ہاں، اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم مجھے بہت چاہتی ہو۔ مجھے اس کے لئے تمہارا شکر گذار ہونا چاہئے۔ مزید برآں اب میری بیماری میں تم میرے لئے بہت کارآمد ہوسکتی ہو۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں میرے بچے، کیوں نہیں؟ میں تمہارے کام کیوں نہیں آسکتی؟ میں تو تمہارے لئے اپنی جان دے سکتی ہوں! میں تو تمہاری بیماری کو دعا دیتی ہوں کہ اس کی وجہ سے ہی تم میرے پاس آ تو گئے! کیونکہ مجھے اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ ابھی تک تم میرے اپنے بیٹے نہیں بن چکے ہو۔ ابھی مجھے تم کو اپنانا ہے۔ تم مجھ سے چھین لئے گئے تھے!

آسولٹ۔ (مضطرب ہوکر) ہاں، ہاں، ہاں! یہ سب گفتگو کرنے کے ڈھنگ ہیں۔ امّاں! تمہیں جاننا چاہئے کہ میں ایک بیمار آدمی ہوں۔ میں کسی سے کسی قسم کا واسطہ تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ مجھے اپنے بارے میں بہت کچھ سوچنا ہے ——— !

بیگم فرمان علی۔ میں تمہیں نہ ستاؤں گی ——— لو، میں چپ ہوئی جاتی ہوں!

آسولٹ۔ مگر امّاں، چپ ہوتی ہو تو سمروہ بھی نظر آؤ۔ رنجیدہ ہوکر منہ نہ لٹکاؤ۔

بیگم فرمان علی۔ ہاں، میرے پیارے بیٹے، تم ٹھیک کہتے ہو۔ (اس کے پاس جاتی ہے) اب تو میں نے تمہاری یہ روحانی اذیت دور کردی کہ اپنی بیماری

سکے یا شاید تم تھوڑی سی تھکے!

آسو لڈ۔ ہاں، یہ احساس تو آپ نے دور کر دیا۔ مگر اس ڈر کو کون دور کرے گا؟

بیگم فرمان علی۔ ڈر؟

آسو لڈ۔ (کمرہ میں ادھر سے اُدھر جاتے ہوئے) ریجینا صرف ایک نرم بات سے اس ڈر کو دور کر سکتی تھی ——

بیگم فرمان علی۔ میں تمہاری بات نہیں سمجھی۔ تمہیں کیسا ڈر ہے؟ کس بات کا ڈر ہے؟ اور ریجینا کا اس سے کیا تعلق ہے؟

آسو لڈ۔ اماں، کیا رات بہت گزر گئی؟

بیگم فرمان علی۔ یہ تو صبح ہو گئی! (شیشہ کمرہ کی کھڑکیوں سے باہر دیکھتی ہے) وہ دیکھو پہاڑیوں پر پو پھٹ رہی ہے اور آسمان صاف ہو چلا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں سورج نکل آئے گا۔

آسو لڈ۔ یہ سن کر تو مجھے خوشی ہوئی! ابھی شاید بہت سی چیزیں ایسی ہوں جن سے میں خوش ہو سکوں اور جن کے لئے زندہ رہ سکوں!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، میرے چاند!

آسو لڈ۔ میں کام بھی نہ کر سکوں تو کیا ہوتا؟

بیگم فرمان علی۔ میرے بچے! تم جلدی ہی پھر محسوس کرو گے کہ تم کام کر سکتے ہو —— —— اب تمہیں وہ دل بٹھا دینے والے خیالات نہ ستائیں گے۔

آسو لطہ- آپ نے اچھا کیا جو اُن خیالات کو میرے ذہن سے دور کر دیا۔ اب اگر میں صرف اس بات پر قابو پا لیتا ——— (کوچ پر بیٹھ جاتا ہے) اماں آؤ کچھ باتیں کریں۔

بیگم قربان علی- ہاں آؤ، باتیں کریں۔ (ایک آرام کرسی کوچ کے برابر گھسیٹ لیتی ہے۔ اور آسو لطہ کے پاس بیٹھ جاتی ہے)

آسو لطہ- سورج نکل رہا ہے، اس لئے مجھے اب کوئی ڈر نہیں ——— اور تم جانتی ہی ہو ———

بیگم قربان علی- کیا جانتی ہوں میں؟

آسو لطہ- (بیگم قربان علی کی بات نہ سنتے ہوئے) اماں، کیا تم نے جو کل شام مجھ سے کہا تھا وہ سچ ہے؟ ——— کہ دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں جو تم میرے لئے نہیں کر سکتیں!

بیگم قربان علی- ہاں میں نے یقیناً یہ کہا تھا۔

آسو لطہ- اور اماں، کیا تم اپنا کہنا پورا کرو گی؟

بیگم قربان علی- ہاں میرے بچے تم مجھ پر اعتماد رکھو، تمہارے سوا اس دنیا میں میرا کون ہے؟

آسو لطہ- اچھا اماں، میری بات سنو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا دل بہت مضبوط ہے لیکن جب میں تم سے کچھ کہوں تو تم چپ چاپ بیٹھی رہنا۔

بیگم فرمان علی۔ مگر وہ ایسی کون سی خطرناک بات ہے ——— ؟

آسو لٹہ۔ چیخنا چلّانا مت، سنتی ہو؟ مجھ سے اس بات کا وعدہ کرو۔ ہم دونوں چپکے چپکے باتیں کرینگے۔ امّاں، وعدہ کرو کہ تم چیخو گی نہیں!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، ہاں، میں وعدہ کرتی ہوں ——— مگر مجھے بتاؤ، تو سہی کیا بات ہے؟

آسو لٹہ۔ اچھا تو سنو۔ میری یہ تھکن، یہ بدن کا درد، اور میرا اپنے کام کے متعلق نہ سوچ سکنا اور میرا جی کسی کام میں نہ لگنا ——— یہ اصل بیماری نہیں!

بیگم فرمان علی۔ اصل بیماری کیا ہے؟

آسو لٹہ۔ مجھے جو بیماری ہے پیدائشی ہے ——— میرے اپنے کسی فعل کا نتیجہ نہیں ——— (اپنے ماتھے کو چھوتا ہے اور رسانیت سے کہتا ہے) یہ یہاں ہے!

بیگم فرمان علی۔ (جس کی قوتِ گویائی گویا سلب ہو جاتی ہے) آسو لٹہ! نہیں ——— نہیں!

آسو لٹہ۔ چیخو چلّاؤ مت، میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ ہاں، میں تم کو بتاتا ہوں۔ یہ بیماری یہیں ہے، یہیں ——— میرے دماغ میں! یہ یہاں پھٹ جانے کے لئے منتظر ہے ——— اور ہر لحظہ، ہر آن، پھٹ سکتی ہے اور مجھے اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے ——— نگل سکتی ہے!

بیگم فرمان علی۔ میرے خدا!

آسولڈ۔ چپ چاپ رہو، یہ ہے میری حالت ———— !

بیگم فرمان علی۔ نہیں، یہ سچ نہیں، آسولڈ! یہ ناممکن ہے! یہ بیماری وہ نہیں ہو سکتی جو تم سمجھ رہے ہو!

آسولڈ۔ مجھ پر پہلے بھی جب میں رنگون میں تھا، اس کا ایک حملہ ہو چکا ہے۔ مگر وہ جلدی ہی گذر گیا تھا ———— اور جب مجھے اپنی حالت کا پتہ ہوا تب سے یہ ڈر مجھ پر چھا گیا ہے اور ایک سیکنڈ کو میرا پیچھا نہیں چھوڑتا ————

بیگم فرمان علی۔ تو یہ ہے وہ ڈر؟

آسولڈ۔ ہاں، یہ اتنا ہولناک ہے کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ اگر یہ کوئی ایسی ویسی معمولی بیماری ہوتی تو ———— میں مرنے سے اتنا نہیں ڈرتا ———— گو میں یقیناً اتنے زیادہ عرصے تک جینا چاہتا ہوں جتنا جی سکتا ہوں!

بیگم فرمان علی۔ ہاں، ہاں، آسولڈ! تمہیں زندہ رہنا چاہیئے۔

آسولڈ۔ مگر یہ ڈر، یہ خوف ———— یہ تو اتنا بھیانک ہے! ———— پھر سے ایک بچّہ کی طرح بے بس ہو جانا، دوسروں کا دست نگر اور محتاج رہنا، اور پھر بھی زندہ رہنے پر مجبور رہنا! ایسا ناکارہ ہو جانا جیسے دوسرا ہی کھلاتے پلاتے، اور آپ کی ضرورتیں پوری کرے! ———— اوہ! اس مصیبت کا بیان نہیں ہو سکتا!

بیگم قربان علی۔ میں اپنے بچّے کی خبر گیری کروں گی۔
آسو لال۔ (اچھل پڑتا ہے) نہیں، کبھی نہیں! اسی کو تو میں برداشت نہیں کر سکتا ——— میں یہ سوچنے کی بھی تاب نہیں لا سکتا کہ اس طرح یہ سول سسکتا کیسا ہوگا ——— اسی حالت میں بوڑھا ہو جاتا! اور کیا معلوم اگر مجھ سے پہلے تم مر جاؤ! (بیگم قربان علی کی آس کے ہٹتے پر بیٹھ جاتا ہے) کیونکہ ڈاکٹر کہتا تھا کہ اس مرض میں جلدی خاتمہ نہیں ہوتا۔ اُس نے کہا تھا کہ اس مرض میں دماغ پلپلا ہو جاتا ہے یا ایسی ہی کوئی بات ہو جاتی ہے (رنجیدہ انداز میں ہنستا ہے) میرا خیال ہے کہ یہ لفظ "پلپلا" بہت اچھا ہے۔ کم از کم آواز ہی اچھی معلوم ہوتی ہے! نرم پلپلا ——— ان الفاظ سے مجھے قرمزی رنگ کے مخمل کے پردے یاد آتے ہیں ———
کوئی ایسی چیز جس پر ہاتھ پھیرنا اچھا معلوم ہو!
بیگم قربان علی۔ (ایک چیخ کے ساتھ) آسو لال!
آسو لال۔ (اچھل پڑتا ہے اور کمرہ میں ادھر اُدھر گھومنے لگتا ہے) اور اب تم نے مجھ سے بچّے کو الگ کر دیا ہے۔ کاش وہ میری ہو جاتی یا کم از کم میرے پاس ہی رہتی! مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور میری مدد کرتی۔
بیگم قربان علی۔ (آسو لال کے پاس جاتے ہوئے) میرے بچّے، تمہارا کیا مطلب ہے؟ دنیا کی کونسی ایسی بات ہے جس میں میں تمہاری مدد نہیں کر سکتی؟

آسولڈ۔ جب پہلے مجھ پر اس بیماری کا حملہ ہوا تھا تو ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اگر دوبارہ یہ
حملہ ہوا ——— اور دوبارہ حملہ ہو کر رہے گا ——— تو پھر صحتیابی
کی کوئی امید نہ رہے گی!

بیگم فرمان علی۔ (وحشت) ڈاکٹر ایسا بے درد تھا کہ اس نے تم سے یہ بھی بتا دیا۔!

آسولڈ۔ میں نے اسے بتانے پر مجبور کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے کچھ
انتظامات کرنے ہیں ——— (عیاری سے مسکراتا ہے) اور
میں وہ انتظامات کر چکا ہوں! (اپنی واسکٹ کی اندر والی جیب سے ایک چھوٹا سا
پیکٹ نکالتا ہے) اماں، اسے دیکھتی ہو؟

بیگم فرمان علی۔ اس میں کیا ہے؟

آسولڈ۔ مارفیا کا پوڈر۔

بیگم فرمان علی۔ (دہشت زدہ ہو کر) آسولڈ ——— میرے بچے!

آسولڈ۔ میرے پاس ایسے ایک درجن پیکٹ ہیں!

بیگم فرمان علی۔ (پیکٹ آسولڈ کے ہاتھ سے چھینتے ہوئے) آسولڈ یہ پیکٹ مجھے
دے دو۔

آسولڈ۔ ابھی نہیں، اماں۔ (پھر اس پیکٹ کو اپنی جیب میں رکھ لیتا ہے)

بیگم فرمان علی۔ میں کبھی اس صدمہ کو نہ بھلا سکوں گی!

آسولڈ۔ تمہیں کچھ بھلانا پڑے گا۔ اگر اس وقت ریجینا یہاں ہوتی تو میں اس کو

پچنکی سے بتا دینا کہ میری کیا حالت ہے ——— اور اس سے
کہنا کہ میری یہ آخری مدد کر دو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور میری مدد کرتی۔
بیگم فرمان علی۔ کبھی نہیں۔
آنسو لڈ۔ اگر اس کے سامنے مجھ پر یہ بیماری غلبہ پالیتی اور وہ مجھے بے بسی کے
عالم میں ایک بچے کی طرح ——— ناکام و نامراد ——— پڑا
دیکھتی اور یہ سمجھتی کہ میرے صحت یاب ہونے کا کوئی امکان نہیں ———
بیگم فرمان علی۔ ریجینا قیامت تک تمہارا کہنا نہ کرتی۔
آنسو لڈ۔ ریجینا ضرور یہ کر کے دکھا دیتی۔ وہ کتنی شاندار حسین، تروتازہ اور شاداب تھی!
وہ بہت جلد مجھ جیسے مریض کی تیمارداری سے اکتا جاتی!
بیگم فرمان علی۔ تو خدا کا شکر ہے کہ وہ یہاں سے چلی گئی۔
آنسو لڈ۔ اچھا، تو اماں! اب تمہیں میری یہ مدد کرنی ہوگی۔
بیگم فرمان علی۔ (چیخ کے ساتھ) میں؟!
آنسو لڈ۔ تم میری ماں ہو۔ تم سے بڑھ کر اور کسے حق حاصل ہے کہ مصیبت میں
میرے کام آئے؟
بیگم فرمان علی۔ میں! تمہاری ماں!
آنسو لڈ۔ ہاں! یہی تو سب سے بڑی وجہ ہے کہ تمہیں میری مدد کرنی چاہئے۔
بیگم فرمان علی۔ مجھے تمہاری اس قسم کی مدد کرنی چاہئے! مجھے جس نے تمہیں پیدا

کیا اور زندگی دی!

آسولڈ۔ میں نے تو تم سے یہ زندگی نہ مانگی تھی! تم نے یہ کس قسم کی زندگی مجھے دی ہے؟ مجھے اس زندگی کی ضرورت نہیں۔ لو، اسے اپنے ہی ہاتھ سے واپس لے لو۔

بیگم فرمان علی۔ ارے دوڑو، بچاؤ۔ (ہال میں بھاگ کر جاتی ہے)

آسولڈ (اس کے پیچھے جاتے ہوئے) مجھے اس طرح چھوڑ کر مت جاؤ۔ تم کہاں جا رہی ہو؟

بیگم فرمان علی۔ (ہال میں سے جواب دیتی ہے) تمہارے لئے ڈاکٹر بلانے آسولڈ مجھے جانے دو!

آسولڈ۔ (ہال میں جاتے ہوئے، تحکمانہ انداز میں) تم باہر نہیں جاؤ گی اور نہ کوئی اندر آئے گا۔ (دروازہ میں کنجی پھرا کر تالا لگا دیتا ہے)

بیگم فرمان علی۔ (ہال سے پھر اندر آتے ہوئے) آسولڈ! آسولڈ! میرے بچّے!

آسولڈ۔ (اس کے پیچھے جاتے ہوئے) کیا تمہارے پہلو میں ایک ماں کا دل ہے؟ کیا تم مجھے یہ ناقابل بیان اذیّت برداشت کرتے ہوئے دیکھ سکتی ہو؟

بیگم فرمان علی (ایک لحظہ خاموش رہنے کے بعد، اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے) میرا ہاتھ اس پر ہے! (آسولڈ کی واسکٹ کی جیب پر ہاتھ رکھتی ہے)

آسو لڈ۔ میری طرف دیکھو! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟

آسو لڈ۔ (پہلے کی طرح مُردہ آواز میں) سورج! سورج!

بیگم قربان علی۔ (انتہائی رنج اور ناامیدی میں اچھل کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ ہاتھوں سے اپنا سر پکڑتی ہے اور چیختی ہے) یہ میں برداشت نہیں کر سکتی! کبھی نہیں کر سکتی!

(اچانک کہتی ہے) وہ پیکیٹ کہاں ہے؟ (جلدی جلدی آسو لڈ کے کوٹ پر اپنا ہاتھ پھیر کر دیکھتی ہے) یہ رہا! (پھر اچانک گویا کسی خیال کے آجانے سے ڈر کر پیچھے ہٹتی ہے اور چیختی ہے) نہیں! نہیں! نہیں! ——————

ہاں! نہیں! نہیں! (آسو لڈ سے چند قدم کے فاصلہ پر کھڑی ہوتی ہے، ہاتھوں سے اپنے بال نوچتی ہے۔ پھر رک جاتی ہے۔ خوف سے اس کی آواز نہیں نکلتی۔ آسو لڈ کی طرف گھورتی رہتی ہے)

آسو لڈ۔ (پہلے کی طرح ساکت بیٹھے ہوئے) سورج! سورج!

(پردہ)